تذکرہ مشائخ بہار
ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی
سجادہ نشین خانقاہِ صوفیہ، اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)

تذکرہ مشائخ بہار
ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی
سجادہ نشین خانقاہِ صوفیہ، اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)

اشاعت : اپریل ۲۰۰۳ء

تعداد : ایک ہزار (۱۰۰۰)

کمپیوٹر کمپوزنگ : منصور رضا، کارڈ سنٹر، معروف گنج، گیا (بہار)

قیمت : ۲۰۰ روپے (RS.200/-)

ملنے کے پتے

ڈاکٹر محمد طیب ابدالی : 'دار الشرف' باری روڈ، گیا (بہار)

مکتبہ صوفیہ : خانقاہ صوفیہ، اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)

بک امپوریم : سبزی باغ، پٹنہ ۴

فضیل احمد فردوسی (ایڈوکیٹ) : لکھنادون، ضلع سیونی، مدھیہ پردیش

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو
سرزمین بہار
کے ان عظیم المرتبت صوفیائے کرام
کے نام نامی سے انتساب کرتا ہوں
جن کی
تعلیمات روحانی سے اس سرزمین کو فیض پہنچا۔

خاکپائے درویشاں
محمد طیب ابدالی
خانقاہ صوفیہ، اسلام پور، ضلع نالندہ (بہار)

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ کا کرم اور بزرگوں کا روحانی فیضان ہے کہ چالیس برس کے بعد یہ تصنیف "تذکرۂ مشائخ بہار" (جلد اوّل) زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔ میں ۱۹۹۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوا۔ اور پھر ۱۹۹۸ء سے مستقل طور پر اس تصنیف کے مواد کی تحقیق اور ترتیب میں منہمک ہو گیا اور اب اسکا نتیجہ قارئین کرام کے سامنے ہے۔

اس کتاب کی ابتداء تصوف کے موضوع پر ایک بسیط مقالے سے ہوتی ہے جس میں متعدد ذیلی عنوانات کے تحت تصوف سے تعلق رکھنے والی بہت ساری ضروری باتیں پیش کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی ابہام نہ رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ تصوف کی کوئی جامع تعریف ممکن نہیں۔ یہ ایک وجدانی اور ذوقی کیفیت کا ثمرہ ہے۔ پھر بھی میں نے بعض جلیل القدر صوفیائے کرام کی بیان کردہ تعریف تصوف کو پیش کر دیا ہے اور قرآن شریف سے اخذ کردہ ان حقائق کو بھی پیش کیا ہے جس سے نفس امارہ کو قابو میں لایا جاسکتا ہے اور نفس لوامہ کو تقویت بخشی جاسکتی ہے۔

اہل تصوف کے جو مذاہب پائے جاتے تھے اور انکے درمیان جو سلاسل پائے جاتے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے **کشف المحجوب** میں اس سلسلے کے جو حقائق دیئے ہیں انھیں بھی پیش کیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں نے اپنے شیخ سے لیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ کی جو سند پیش کی ہے وہ فی الحقیقت حدیث شریف کے فن اسماء الرجال کی تقلید ہے۔ بعد میں دیگر مشہور سلاسل کی سندیں بھی تصوف کی کتابوں میں درج ہوئیں۔

"خانقاہ اور اسکافیضان" کے عنوان کے تحت خانقاہ کی ضرورت کیوں پیش آئی، اور خانقاہ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس کی زبوں حالی پر بھی آنسو بہائے گئے ہیں۔

"ہندوستان میں صوفیائے کرام کی آمد"...... ایک بہت ہی اہم اور وقیع عنوان ہے۔ جہاں جہاں بزرگان دین کے قدم مبارک پڑے وہ سر زمین کتنی مبارک اور مقدس ہوئی اسکا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کا گراں بہا عنوان "سرزمین بہار اورصوفیائے کرام" ہے۔ جس میں صوبہ بہار میں صوفیائے کرام کی آمد کا جائزہ لیا گیا ہے اور انہوں نے رشد وہدایت کیلئے جہاں جہاں خانقاہیں قائم کیں اسکاذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مشائخین کرام کاذکر ہے۔ سب سے پہلے حضرت مومن عارف علیہ رحمتہ اللہ منیر میں وارد ہوئے اور ان کے سبب حضرت امام محمد تاج فقیہہ مجاہدین کی جماعت کے ساتھ قائد جماعت کی حیثیت سے منیر تشریف لائے۔ آپ کے بعد اور بھی بزرگان دین وقتاً فوقتاً بہار میں سلاسل کی توسیع، رشد وہدایت کی تعلیم اور پیغام انسانیت کی اشاعت کیلئے آتے رہے۔ پھر یہ سرزمین فیضان روحانی کاایک مہکتا ہوا گلستاں بن گئی۔ سن ۷۰۰ ہجری سے سن ۸۰۰ ہجری تک یہاں سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ فردوسیہ اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگان دین نے انسانیت کی نمایاں خدمات انجام دیں۔

"تذکرہ مشائخ بہار" کی یہ پہلی جلد ہے۔ اس میں سن ۷۰۰ ہجری سے سن ۸۰۰ ہجری تک ہی کے بزرگوں کا تذکرہ کیا جا سکا۔ بزرگوں کامزید تذکرہ اگلی جلدوں میں کیا جائے گا، انشاءاللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تصنیف کی تمنا میرے والد و مرشد حضرت **سیّد شاہ محمدایوب ابدالی** کی تھی۔ عم بزرگوار حضرت **شاہ تقی حسن بلخی** بھی چاہتے تھے کہ یہ تصنیف مکمل ہو لیکن ان حضرات کی زندگی میں ایسا نہ ہو سکا جس کا مجھے صدمہ ہے۔ **پروفیسر حسن عسکری** صاحب نے بھی مجھے بار بار اس کی طرف متوجہ کیا لیکن ملازمت کی مشغولیت نے مجھے موقع نہ دیا۔

مختلف خانقاہوں سے بھی یہ آواز اٹھتی رہی کہ **طیب ابدالی** کو یہ کام کرنا چاہیئے۔ سوچا کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہی اس کام کو انجام دونگا۔ لیکن افسوس کہ جب اس کام کے لئے تیار ہوا تو میری رہبری اور رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بہت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہار کی خانقاہوں کے تمام معمر بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ میں اس میدان تحقیق و تفتیش میں اکیلا رہ گیا۔ لیکن یہ بزرگوں ہی کا فیض ہے کہ میرے والد کے چہیتے مرید سید **ذکی احمد ہاشمی** (جو میرے مجاز و خلیفہ بھی ہیں) میرے دست راست بنے اور ہر ہر قدم پر نہ صرف مجھے حوصلہ دیا بلکہ ہر ممکن مدد بھی کی۔ اور ترتیب مواد کی شکل میں میری مشکلوں کو حل کیا۔ میں اپنے عزیز موصوف کا کس طرح شکریہ ادا کروں کہ وہ تو سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور میں خاموش رہ جاتا ہوں۔

میں اپنے مرید **سیدساجد ہاشمی فردوسی** کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اس تصنیف کی طباعت میں انھوں نے نہ صرف میرا ساتھ دیا بلکہ مکمل طور پر اس کی ذمہ داری قبول کی جو میری طمانیت قلب کا سبب ہے۔ اس کے علاوہ بہار کی خانقاہوں کے سجادگان کا بھی شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے جنھوں نے میری ہمت افزائی کی۔ آخر میں یہ عرض ہے کہ اگر میری اس حقیر کوشش میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے اور کوئی صاحب اسے پورا کر سکیں تو میری معاونت کریں۔

فقیر طیّب آبدالی

۱۴؍ مارچ ۲۰۰۳ء
مطابق ۱۰؍ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
"دار الشرف" باری روڈ۔ گیا۔ (بہار)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَصَوّف

علوم اسلامیہ کی تدوین میں اولیّت قرآن مجید کو حاصل ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید کے چند ایک ہی نسخے تحریری شکل میں تھے۔ اللہ کا کلام زیادہ تر سینوں میں محفوظ تھا اور اسی ترتیب سے جو آج بھی قائم ہے۔ یہ ترتیب حضور ﷺ کے حکم کے تحت قائم ہوئی تھی جس میں کبھی بھی سر موفرق نہ آیا۔ حضور ﷺ کے بعد صحابہؓ کرام کو کئی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک جنگ میں حفاظ صحابہ کرام کثیر تعداد میں شہید ہوگئے۔ اس حادثہ کے بعد لوگوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ قرآن مجید کو تحریری شکل میں مدون کر کے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور حفظ در سینہ کے ساتھ حفظ در سفینہ کا بندوبست بھی کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس نسخہ کی متعدد نقلیں تیار کی گئیں، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ تھا اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ تھا اور اسکی مدد سے قرآن مجید کو تحریری شکل میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا گیا۔ تدوین قرآن پاک کی یہ اولین شکل تھی۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں بھی تقریباً یہی واقعہ ہے کہ وہ صحابہ کرام جو رسول اکرم ﷺ کے افعال، احوال اور اقوال کی سنت کے قولاً اور عملاً محافظ تھے، آہستہ آہستہ راہی ملک بقا ہوتے گئے اور ایک جنگ میں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، کثیر تعداد میں شہید بھی ہوئے تو لوگوں کو یہ خیال آیا کہ تمام حدیثوں کو جمع کر کے صحت کے ساتھ ان کو مدون کیا جائے۔ چنانچہ تابعین نے اس پر زور دیا اور شہاب زہری نے اسکی تدوین میں بڑی جانفشانی سے کام کیا۔

جب صحابہ کرام آہستہ آہستہ دنیا سے رُخصت ہو گئے اور خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا تو ملوکیت نے جنم لیا۔ دینی اور مذہبی مسائل میں سیاست کی کار فرمائی ہونے لگی تو اس عہد کے بزرگان دین کو تعلیم باطنی کیلئے کسی ایسے بزرگ اور جگہ کی تلاش ہوئی جن سے اور جہاں ان کی یہ ضرورت پوری ہو سکے۔ اسی کے پیش نظر تصوف کی ترویج ہوئی اور خانقاہیں قائم ہوئیں۔ دیگر علوم اسلامیہ کی مانند تصوف کا ماخذ و منبع بھی کلام الٰہی کی آیات اور مرویات حدیث ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالّذِین اٰمَنُو اَشدُّ حُبّاً لِلّٰہ (سورہ۲، آیت ۱۶۵، پارہ۲، رکوع ۴)

(ترجمہ: اور ایمان والوں کو سب سے زیادہ اللہ سے محبت ہوتی ہے۔)

ایک اور جگہ اس طرح ہے:

قُلْ اِن کُنْتُمْ تُحِبّوْنَ اللّٰہ فَاتَّبِعُوْ نِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورہ۳ پارہ ۳ رکوع ۱۲)

(ترجمہ: اے حبیب! آپ فرما دیجیے کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم کو چاہنے لگے گا۔)

حبِ الٰہی تصوف کا اصل محور ہے اور اہل تصوف کی زندگی اسی محور خاص کے گرد گھومتی ہے۔ اللہ سے محبت کا جذبہ انسان کو جو مثالی سیرت بخشتا ہے اس کی تفصیل جابجا قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایک جگہ ہے:

اور رحمٰن کے سچے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جاہل جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو ان کے لئے بھی سلامتی کی دعاء کرتے ہیں۔ وہ اپنے رب کے لئے راتیں سجدوں میں اور کھڑے ہو کر گزارتے ہیں۔

(اور آگے ہے) اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں اور انکے خرچ (کرنے کا انداز) ان دونوں حالتوں میں درمیانی ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی کسی اور کو معبود

(سمجھ کر) نہیں پکارتے۔ اور نہ کسی جان کو جسے اللہ نے حفاظت بخشی ہو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹی گواہیاں بھی نہیں دیتے اور جب لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر اور جب انھیں انکے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو ان سے بہروں اور اندھوں کا معاملہ نہیں کرتے۔

(سورہ فرقان، پارہ ١٩، رکوع ۴)

اولیاءاللہ کی واضح تعریف سورۂ یونس میں اس طرح ہے۔

سنو، اللہ کے ولیوں کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کیلئے بشارت ہی بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

(سورہ یونس، پارہ ١١، رکوع ١٢)

طریق تصوف میں بشکل ورد وظائف تلاوت قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تاکہ دل کی سختی دور ہو، نرمی پیدا ہو اور دل اس لائق ہو جائے کہ اس میں پڑا ہوا تخم محبت برگ و بار لا سکے۔ بعد ازیں نکات حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ بابِ حکمت کھلے۔ پھر نفس، قلب اور روح کی صفائی کی جاتی ہے تاکہ انوار الٰہیہ سے قلب منور اور روح مجلّی ہو۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

اے میرے رب! ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور کتاب و حکمت کی باتیں سکھائے اور انکا تزکیہ کرے۔

(سورہ بقرہ، پارہ ١، ع ١٥)

شریعت، طریقت اور حقیقت تصوف کی مشہور اصطلاحیں ہیں۔ انسانی ظاہر کا تزکیہ شریعت کے ذریعہ ہوتا ہے اور باطن طریقت سے سنورتا ہے۔ شائستہ اور مہذب ظاہر جب باطن سے ہم آہنگ ہوتا ہے تو در حقیقت وا ہوتا

ہے' انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور ان احوال و کیفیات کا نمود ہوتا ہے۔ جو حیطۂ بیان میں نہیں آسکتیں۔

ع پس پردہ معانی کا سمندر موجزن ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے :

الشریعتہ اقوالی و الطریقتہ افعالی والحقیقتہ احوالی

(**ترجمہ :** میرا قول شریعت ہے اور میرا فعل طریقت اور حقیقت میرے احوال ہیں۔)

حدیث جبرئیل میں ہے کہ :

(حضور علیہ السلام سے **حضرت جبرئیل علیہم السلام** نے) عرض کیا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتائیے فرمایا (حضور علیہ السلام نے) کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ یقیناً تمھیں دیکھ رہا ہے۔(**مُسلم شریف**)

تصوف کی اصل یہی حدیث جبرئیل ہے۔اس حدیث میں عبد و معبود کے درمیان پائے جانے والے بعد فہم کو سمیٹ کر تحصیل قرب کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فاصلے کس طرح سمٹیں اور تقرب کیونکر حاصل ہو کہ قلب و نظر مذکورہ احسانی کیفیتوں سے آشنا ہو سکیں۔اسی سوال کا اجمالی جواب ہے تصوف جو اہل اسلام کے درمیان ابتدا ہی سے عملی صورت میں موجود تھا لیکن دوسرے علوم مثلاً علم حدیث ،علم تفسیر اور علم فقہ کی مانند اس نے بھی علمی اور فنی شکل زمانۂ مابعد میں حاصل کی۔یہ واضح رہے کہ تمام علوم اسلامی بشمول تصوف قرآن مجید اور حدیث شریف ہی سے ماخوذ ہیں اور سب کا عملی وجود آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت قاضن علا شطاری رحمتہ اللہ علیہ نے **"معدن الاسرار"** میں نہایت خوبی سے واضح کیا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ :

"بدانکہ در خبر است کہ پیغمبر علیہ السلام در مسجد خود یک زاویہ متعین کردہ بود و از صحابہ یک طائفہ را کہ سالکان راہ طریقت بودند برگزیدہ بعضے میان ایشاں پیران بودند چوں ابو بکر و عمر و عثمان و علی و سلمان و ابوذر و عمار۔ مصطفےٰ ﷺ ایشاں را بہ اوقات خلوت در آں زاویہ می نشاندی و' بایشاں اسرار گفتی کہ صنادید عرب و عوام صحابہ آں را فہم نکردو ایں جماعت گاہے ہفتاد تن بودے و گاہے کم و چوں کسے را از میان ایشاں اکرام کردے ردائے مبارک یا پیراہن بدو دادے و ایں طائفہ بگزارد و حقوق شریعت چناں بودند اگر تمام دنیا بدیشاں دہند و نعیم عقبیٰ و بہشت ایشاں را بخشند یا بلائے تمام عالم و محنت برائے شاں باد ند نعمت دنیا و آخرت بہ بیگاناں گزارند' بلاو محنت خود قبول کردند۔"

(معدن الاسرار ملفوظ حضرت قاضن علا شطاری فصل چہل و چہارم در بیان طریقت)

(**ترجمہ**: معلوم رہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے مسجد نبوی میں ایک گوشہ مقرر کر دیا تھا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کو جو راہ طریقت پر چلنے والی تھی (اس جگہ) رکھ چھوڑا تھا۔ ان کے درمیان بعض بزرگ تھے۔ جیسے ابو بکر' عمر' عثمان' علی' سلمان' ابوذر غفاری' و عمار یاسر حضور مصطفےٰ ﷺ ان لوگوں کو اوقات تنہائی میں اسی گوشہ میں بٹھاتے اور ان سے اسرار و رموز کی باتیں کرتے کہ جسے عرب کے سردار اور عام صحابہ نہیں سمجھتے۔ اور یہ جماعت ستر افراد پر مشتمل رہتی' کبھی زیادہ کبھی کم۔ اور جب کبھی ان میں سے کسی کا اکرام فرماتے تو اپنی چادر مبارک یا اپنا لباس مبارک ان کو دے دیتے اور یہ جماعت شریعت کے حقوق ادا کرنے میں ایسی تھی کہ اگر تمام دنیا ان کو دے دی جاتی اور بہشت اور آخرت کی نعمتیں ان لوگوں کو بخش

دی جاتیں یا تمام دنیا کی مصیبت اور محنت ان لوگوں کو دی جاتیں تو
وہ لوگ دنیا اور آخرت کی نعمتیں دوسروں کو دے دیتے اور
مصیبت اور محنت خود قبول کر لیتے۔)

حضرت موصوف نے شریعت 'طریقت اور حقیقت پر بھی مختصر مگر جامع روشنی ڈالی ہے۔ **"معدن الاسرار"** میں **"در بیان مراتب و معانی حقیقت"** کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

بداں کہ حقیقت ہمہ احوال سالکان است۔ چوں سالک بگزارد حقوق
طریقت بہ ہدایت خاص رسد واحوال حقیقت مکشوف دے گردد"

(معدن الاسرار فصل چهل و چهارم)

(**ترجمہ** : معلوم ہو کہ حقیقت سالکوں کے تمام احوال کو کہتے
ہیں۔ جب سالک حقوق طریقت ادا کر لے تو اس کی رسائی ہدایت
خاص تک ہوتی ہے اور احوال حقیقت اس پر منکشف ہوتے ہیں۔)

حضرت نے آگے مزید وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"فالحاصل صحت اعمال ظاہر را شریعت نامند و صحت اعمال باطن
را طریقت خوانند و صحت حال واردات را حقیقت شناسند و علمائے
ظاہر گویند شریعت حقیقت است۔ میان حقیقت و شریعت فرق نہ
کنند و ایں پیش اہل طریقت غلط است زیراکہ اقامت علم حقیقت
بے اقامت شریعت زندقہ است و اقامت علم شریعت بے اقامت
حقیقت نفاق۔ ہر کہ ہنوز شریعت نہ رفتہ است وے را با طریقت
آشنائی نیست۔ و ہر کہ با طریقت آشنا نہ کشد آں بیچارہ را با حقیقت
چہ گزر و چہ کار۔"

(معدن الاسرار فصل چهل و چهارم)

(**ترجمہ** : پس حاصل یہ ہے کہ ظاہر اعمال کی صحیح حالتوں کا
لوگوں نے شریعت نام رکھا ہے۔ اور باطن اعمال کے صحیح حال کو

طریقت کہتے ہیں۔ اور ارادہ کے صحیح حال کو حقیقت سمجھتے ہیں۔
علمائے ظاہر شریعت کو حقیقت کہتے ہیں اور شریعت و حقیقت میں
فرق نہیں کرتے۔ اور یہ اہل طریقت کے نزدیک غلط ہے کیونکہ
علم حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر زندقہ ہے اور علم شریعت
کا قیام حقیقت کے بغیر نفاق۔ جو شریعت پر ابھی تک نہ چلا ہو اسے
طریقت سے کیا واسطہ اور جس کو طریقت سے واسطہ نہ ہو اس
بیچارہ کو حقیقت سے کیا سروکار۔)

ساتویں صدی ہجری کے مشہور فردوسی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ
شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے اپنے مکتوب ۲۵ میں شریعت و
طریقت کی نہایت دلکش وضاحت کی ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:

"طریقت راہے است کہ از شریعت خیزد و شریعت بیان توحید و
طہارت و نماز و روزہ و دیگر احکام شرع و معاملات است۔ طریقت
طلب کردن بحقیقت ایں معاملات است و تخفص کردن ایں مشروعات
و آراستن اعمال بصفا ضمائر و تطہیر اخلاق است از کدورت طبعی
چوں ریا و ہوا و جفا و شرک مانند ایں در جملہ ہرچہ بہ تہذیب و تطہیر
ظاہر تعلق دارد شریعت است و ہرچہ بہ تصفیہ و تزکیہ باطن تعلق
دارد طریقت است مثلاً جائے نماز را طاہر کردن از لوث نجاست
شریعت است و دل پاک کردن از کدورات بشریت طریقت است۔
پیش از نماز وضو کردن شریعت است و ہمیشہ باوضو بودن طریقت
است۔ در نماز روئے بقبلہ آوردن شریعت است۔ در روے دل
بحق آوردن طریقت است۔ در جملہ ہرچہ در مرتبہ حواس فرود
آید رعایت آں کردن از شریعت است و ہرچہ دروں پردۂ قالب است رعایت کردن
آں طریقت است"

(مکتوبات صدی، مکتوب بست و پنجم از
مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری)

(**ترجمہ**: طریقت وہ راہ ہے جو شریعت سے نکلتی ہے اور شریعت کا تعلق توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور دیگر شرعی احکام اور معاملات سے ہے۔ لیکن طریقت ان معاملات کی حقیقت دریافت کرنے، ان مشروعات میں تفحص کرنے اعمال کو صفائی ضمیر کے ساتھ آراستہ کرنے اور طبعی کدورتوں سے اخلاق کو پاک کرنے سے متعلق ہے۔ جب ریا، ہوا، جفا، شرک اور ان کی مانند دوسرے جملہ صفات کی تہذیب و تطہیر کا تعلق ظاہر سے ہو تو یہ شریعت ہے اور جو کچھ کہ باطن کے تصفیہ و تزکیہ سے تعلق رکھے، طریقت ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کی جگہ کو نجاست کی آلودگی سے پاک کرنا شریعت ہے۔ اور بشری کدورتوں سے دل کو پاک کرنا طریقت ہے۔ نماز کے پہلے وضو کرنا شریعت ہے۔ اور ہمیشہ باوضو رہنا طریقت ہے۔ نماز میں قبلہ رو رہنا شریعت ہے اور اس میں دل کو حق کی طرف متوجہ رکھنا طریقت ہے۔ حواس کے اعتبار سے جو کچھ پیش آئے ان سب کی رعایت کرنا شریعت ہے اور جو کچھ پردۂ قالب کے اندر ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔

جیسا کہ قبل کہا جا چکا ہے "حبّ الٰہی" **تصوف کا اصل محور** ہے۔ حبّ یعنی محبت کی ابتدائی شکل انس ہے اور انتہائی حالت **عشق** اہل تصوف کے نزدیک زندگی بے **عشق الٰہی** محض بے معنی ہے۔ حضرت **مخدوم جہاں عشق** کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بداں اے برادر چنانکہ بظاہر روزہ و نماز فریضہ است۔ و در باطن محبت و عشق فریضہ است خمیر و مایۂ آں درد و اندوہ است۔ عشق بندہ را بخدا می رساند۔ ازاں معنی عشق فرض راہ آمدہ۔ حیات از عشق می شناس و ممات بے عشق می یاب۔

﴿فائدہ اوّل 'فوائد رکنی از
مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری﴾

تَرجُمہ : اے بھائی' جانو کہ جس طرح ظاہر میں روزہ 'نماز فرض ہے۔باطن میں محبّت و عشق فریضہ ہے۔اس کی خمیر اور پونجی دردواندوہ ہے۔ عشق بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے۔اس اعتبار سے عشق فرض راہ ہوا۔ عشق زندگی ہے اور عشق سے خالی ہونا موت۔

تصوف اختراع محض اور ایجاد نو نہیں ہے۔ معنوی اعتبار سے اس کی نشاندہی نہ صرف یہ کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث سے ہوتی ہے بلکہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہوا۔ مستند بزرگوں نے اس کی قدامت پر اتفاق کیا ہے۔ مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ مکتوبات صدی کے بائیسویں مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :

بدانکہ قاعدۂ تصوف دیرینہ است و اعمال انبیاء و صدیقان بودہ است۔ بحکم غلبۂ عادات زشت کہ درزمانہ پدید آمد است صور تحال صوفیان در چشم مردمان زشت می نماید۔

تَرجُمہ : معلوم ہو کہ راہ تصوف قدیم ہے اور انبیاء اور صدیقوں کے اعمال بھی یہی ہیں۔اس زمانے میں چونکہ برائی کا غلبہ ہے اس لئے صوفیوں کا حال بھی لوگوں کی نگاہ میں براد کھائی دیتا ہے۔

تصوف کی تعریف: تصوف کیا ہے'اس موضوع پر تفصیلی گفتگو گزشتہ سطور میں ہوئی تاہم تصوف کی تعریف کیا ہے اس کا کچھ مذکور نہ ہو سکا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف کی جامع اور متعین تعریف ممکن ہی نہیں۔ اہل تصوف نے اپنے اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق اس کی تعریف کی ہے۔ علاوہ ازیں مسلک تصوف نے کبھی کوئی ایک اور متعین صورت اختیار نہیں کی' عہد بہ عہد اس کی شکل و صورت بدلتی رہی۔اوائل میں زہد و تقویٰ کا عنوان

تصوف تھا۔بعد کے زمانے میں تجربات اور مشاہدات کے مختلف رنگ اس میں شامل ہو گئے۔ سکر و صحو، قبض و بسط، تجرید و تفرید اور اسی نوع کی دوسری کیفیتیں اور احوال احاطہ تصوف میں در آئے۔یہی وجہ ہے کہ تصوف کی کوئی ایک متعین تعریف نہیں ملتی، متعدد تعریفیں ہیں جو بادی النظر میں مختلف سمتوں میں اشارہ کرتی نظر آتی ہیں۔ لیکن اگر بغور ان کا تجزیہ کیا جائے تو ایک ہی قدر مشترک ہے جو روح کی مانند ان سب میں یکساں طور پر جاری و ساری معلوم ہوتی ہے۔اور وہ ہے حبّ الٰہی! ملاحظہ کیا جائے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

التصوف نعت اقيم العبد فيه قيل نعت للعبدام للحق فقال نعت الحق حقيقةً ونعت العبد سماً.

(ترجمہ: تصوف وہ صفت ہے جس میں بندہ کی اقامت کی گئی ہے۔(یعنی اس کے وجود کا اثبات کیا گیا ہے)لوگوں نے پوچھا یہ صفت بندہ کی ہے یا حق کی؟جواب دیا کہ حقیقتاً تو حق کی ہے اور صورتاً بندہ کی۔)

حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التصوف ترك كل حِظٍ للنفس.

(ترجمہ: تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے۔)

حضرت شیخ علی بن بنداری نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے:

التصوف اسقاط الرّويه للحق ظاهراً وَ باطناً.

(ترجمہ: تصوف یہ ہے کہ ظاہر اور باطن میں بجز حق کے اور کچھ نظر نہ آئے۔)

حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف اس طرح کی ہے:

التصوف علم تعرف به احوال تزكيه النفوس و تصفيته

الاخلاق و تعمیر الظاھر و الباطن نسل السعادۃ الا بدیہ۔

(شرح الرسالۃ القشیریہ جلد ۱ صفحہ ۶۹)

(ترجمہ : تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کا علم ہوتا ہے۔ تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو۔)

امام العاشقین حضرت مولانا مظفر شمس بلخی قدس سرہٗ نے تصوف کی نہایت ہی پر کیف اور دل آویز تعریف یوں فرمائی ہے۔

درویشی و تصوف بس ہمیں یک حرفیست 'الانقطاع عما سوی اللہ'

چوں اللہ می گوئی ما سوی اللہ را آتش زن۔

("الشرف" از فقیر محمد طیب ابدالی صفحہ نمبر ۱۰۷)

(ترجمہ : درویشی اور تصوف بس یہی ایک حرف ہے 'اللہ کے سوا ہر شئے سے (مکمل) انقطاع۔ جب تو اللہ کہتا ہے 'ماسوی اللہ کو آگ لگا دے۔)

تصوف کی چند تعریفیں مذکور ہوئیں۔ ان میں تصوف کو صفت بھی کہا گیا ہے۔ اور علم بھی' ترک نفسانیت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور قطع ماسوی اللہ سے بھی۔ بظاہر ہر تعریف مختلف ہے لیکن اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو سب کی اصل ایک ہے۔ حبِ الٰہی' میلان الی الحق۔ یہ محبت ہی تو ہے جو غلام کو آقا کی نیابت بخشواتی ہے۔ تو قیام وجود سے جو حقیقتاً صفت حق ہے۔ براہ محبت بندہ بھی متصف ہو جاتا ہے گو کہ صورتاً پردۂ امکان کے ساتھ تاکہ واجب اور غیر واجب کا فرق بھی باقی رہے اور محبت کا تقاضا بھی پورا ہو جائے۔ تصوف کو تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کا علم کہا گیا جس سے اصل مقصود سعادت ابدی کا حصول ہے۔ یہ سعادت ابدی کیا ہے۔ وہی محبت۔ اصل لائق محبت کی محبت۔ تصوف کو ترک حظوظ نفسانی بھی کہا گیا۔ کیوں؟ اسی لئے تو کہ یہ حب الٰہی کے منافی ہے۔ اور یہ جو کہا کہ تصوف قطع ماسویٰ ہے تو اس کے پیچھے بھی حب الٰہی کا جذبہ ہی کار فرما ہے۔ ماسوی اللہ سے تعلق خاطر جب تک توڑا نہ جائے اللہ سے رشتہ محبت نہیں جوڑا جا سکتا۔

الغرض تصوف کی تمام تعریفیں جو بزرگوں سے منقول ہیں بظاہر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی حقیقتاً مختلف نہیں ہیں۔ ایک ہی رنگ ہے جو ذوق اور وجدان کے اختلاف کے باعث مختلف نظر آتا ہے۔ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ (ترجمہ: وہ اس کو دوست رکھتے ہیں اور وہ ان کو دوست رکھتا ہے۔) کی صدا ایک ہے لیکن بازگشت بے شمار۔

اصول تصوف: جیساکہ عرض کیا جا چکا ہے تصوف کی اصل تو آیات قرآن مجید اور ارشادات رسول کریم سے ہے لیکن بزرگوں نے اسی بنیادی ماخذ سے تمسک کرتے ہوئے اصول تصوف کی تفصیلات پیش کی ہیں۔

حضرت ابو عبداللہ التستری (م ۲۷۳ھ) کا ارشاد ہے:

اصول طريقتنا سبعۃ التمسك بالكتاب و الاقتداء با لسنته واكل الحلال و كف الاذى و تجنب المعاصى والتوبه واداء الحقوق.

(نتائج الافکار القدسیہ ج ۱ صفحہ ۱۱)

(ترجمہ: ہمارے طریقے کے اصول سات ہیں۔ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا، سنت کی پیروی، حلال کھانا، اذیت رسانی سے رکنا، معصیتوں سے اجتناب، توبہ اور ادائے حقوق۔

حضرت ابو الحسین احمد بن ابی الحواری (م ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں:

من عمل عملا بلا اتباع سنته رسول الله صلى الله عليه وسلم فباطل عملهٗ.

(الرسالۃ القشیریہ ج ۱ صفحہ ۱۲۶)

(ترجمہ: جس کسی نے اتباع سنت کے بغیر کوئی عمل کیا تو اس کا وہ عمل باطل ہو گا۔)

یعنی تصوف کا اصل الاصول اتباع سنت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عمل خواہ کتنا ہی صوفیانہ کیوں نہ ہو، محض باطل ہے۔ اور یہی بات تو یہ ہے کہ سنت رسول کریم ﷺ کے بغیر تصوف کا وجود ہی نہیں۔

حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ (۴۷۰ھ تا ۵۶۱ھ) نے "**فتوح الغیب**" میں ارشاد فرمایا ہے۔

التصوف مبنیٌ علیٰ ثمان خصالٍ السخالا براھیم والرضالا سحٰق والصبر لایوب والاشارہ لزکریا والغربتہ لیحیٰ و لبس الصوف لموسیٰ والسیاحتہ لعیسیٰ والفقر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(**ترجمہ**: تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیم' رضائے اسحاق' صبر ایوب' مناجات زکریا' غربت یحیٰی' خرقہ پوشی موسیٰ' سیاحت عیسیٰ اور فقر محمد ﷺ پر۔)

یعنی حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کے نزدیک سخاوت' رضا' صبر' مناجات بہ درگاہ الٰہی' غربت' خرقہ پوشی' سیاحت اور فقر تصوف کے بنیادی اصول ہیں۔

حضرت خواجہ فیض پاش شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ نے اپنی مشہور تصنیف "**رسالہ**" میں طرق الی اللہ کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

پہلا طریق ارباب معاملات کا ہے۔ انہیں اصطلاحاً اخیار کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات بکثرت نماز' روزہ' حج' تلاوت قرآن اور جہاد وغیرہ اعمال ظاہری بجالاتے ہیں۔ اس طریق سے تھوڑے لوگ زیادہ مدت میں واصل بحق ہوتے ہیں۔ دوسرا راستہ اہل مجاہدہ وریاضت کا ہے۔ جو درستیٔ اخلاق' تزکیہ نفس' تصفیہ قلب اور تجلیہ روح نیز تعمیر باطن میں مشغول رہتے ہیں۔ انہیں ابرار کہا جاتا ہے۔ پہلے گروہ کے مقابلے میں حضرات ابرار زیادہ تعداد میں اور کم مدت میں منزل مقصود پر پہنچے ہیں۔ تیسرا گروہ ان مردان خدا کا ہے جنہیں شطار کہا جاتا ہے۔ بظاہر عام لوگوں جیسی زندگی گزارنے والے یہ پاک نفوس ہر لمحہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے درون کو توجہ الی الغیر سے پاک رکھتے ہیں۔ ماسوی اللہ سے مکمل انقطاع انکے دل کو درد وشوق سے بھر دیتا ہے۔ طریق شطار پر چلنے والے پہلے دو گروہوں کی بہ نسبت

بہت زیادہ تعداد میں مراد کو پہنچتے ہیں۔ اور نہایت ہی کم مدت میں۔

طریق شطار موت ارادی پر مبنی ہے۔ موتوقبل عن تموتوا (موت سے پہلے ہی مر جاؤ) کی روشنی میں حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش نے اس طریق کے دس اصول مرتب کیے۔

(۱) پہلا اصول توبہ ہے۔ یعنی بالارادہ اللہ کی طرف رجوع ہونا جس طرح موت رجوع الی اللہ ہے گو کہ بغیر ارادہ۔

(۲) دوسرا اصول زہد ہے۔ یعنی دنیاوی اسباب' مال و جاہ اور تمام خواہشات تھوڑی ہوں یا بہت سب سے باز آجانا جیسے موت کے وقت ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصول توکل ہے۔ یعنی خدا ہی پر بھروسہ کرنا۔ مال و اسباب اور مادی وسائل پر بھروسہ نہ کرنا جیسا کہ موت کے ساتھ ہی تمام بھروسے ٹوٹ جاتے ہیں اور ایک اللہ کا بھروسہ رہ جاتا ہے۔

(۴) چوتھا اصول قناعت ہے۔ یعنی تمام نفسانی شہوات اور حیوانی لذتوں سے جدا ہو جانا جس طرح موت کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔

(۵) پانچواں اصول عزلت ہے۔ یعنی دنیا اور اہل دنیا سے باختیار خود بغیر کسی مجبوری کے علیحدہ ہو جانا جیسا کہ مر کر علیحدہ ہونا پڑتا ہے۔

(۶) چھٹا اصول پابندئ ذکر ہے یعنی یاد الٰہی میں مشغول رہنا جیسا کہ مرنے کے بعد سوائے اللہ' اللہ کے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔

(۷) ساتواں اصول ہمہ وقتی توجہ الی اللہ ہے۔ یعنی ہر وقت' ہر گھڑی خود کو متوجہ الی اللہ رکھنا جیسا کہ موت کے بعد ہوتا ہے۔

(۸) آٹھواں اصول صبر ہے۔ یعنی ریاضت و مجاہدہ سے دل کو ہٹنے سے روکے رکھنا اور لذات و شہوات سے علیحدگی کیے رہنا جیسا کہ موت کے بعد ہوتا ہے۔

(۹) نواں اصول مراقبہ ہے یعنی دل کی نگرانی کرتے رہنا تاکہ غیر اللہ کا خیال تک نہ آنے پائے جیسا کہ موت کے ساتھ از خود ہو جاتا ہے۔

(۱۰) دسواں اصول رضا ہے۔ یعنی اپنی چاہت کو اللہ کی رضا میں گم کر دینا

اور اس کی تقدیر پر راضی ہو کر چوں وچرا سے خود کو علیحدہ کر لینا۔ جیسا کہ مرنے کے بعد ہوتا ہے۔

طریق شطار کے مندرجہ بالا دس اصول تصوف میں بہت اہم مانے جاتے ہیں۔ اور اکثر بزرگوں نے ان اصولوں کو اپنایا اور ان کی روشنی میں زندگی گزاری اور صاحب وصول ہوئے۔

(طرق الی اللہ کی مندرجہ بالا تین قسمیں اور طریق شطار کے اصول دہگانہ پر جو گفتگو ہوئی وہ قلمی رسالہ 'تصوف اور احسان' مؤلفہ حضرت مخدوم سید شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ سے ماخوذ ہے۔)

صوفی کون : اہل تصوف کو عموماً بلالحاظ مرتبہ صوفی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں مبتدی بھی ہیں اور متوسط بھی، منتہی بھی ہیں اور وہ بھی جو دنیا کمانے کے لئے اہل تصوف ہونے کا سوانگ رچاتے ہیں۔ واقعی صوفی کون ہیں اس کے متعلق بزرگوں نے اپنے اپنے طور پر بہت کچھ کہا ہے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں:

صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمان الٰہی کو ماننے والا ہو۔ اس میں تسلیم اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح، اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح، فکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ...... صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح، اور اخلاق رسول اکرم ﷺ کی طرح ہو۔

(رسالہ قیشریہ بحوالہ 'صوفی منیری کے نثری کارنامے' صفحہ ۸۱)

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"الصوفی اذانطق بان نطق عن الحقائق وان سکت عنه الجوارح بقطع العلائق۔"

(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۱۹-۲۶ بحوالہ تصوف اسلام)

(ترجمہ: صوفی وہ ہے جب وہ گفتار میں آتا ہے تو اس کی زبان

حقائق کی ترجمان ہوتی ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے اعضا قطع علائق پر زبان حال سے شہادت دیتے ہیں۔)

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا کہ صوفی کون لوگ ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''صوفی وہ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں پر خدائے عزوجل کو فوقیت دی اور اسی کو پسند فرمالیا۔''

(تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت فریدالدین عطارؔ صفحہ نمبر ۲۳۹)

حضرت ابو بکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الصوفی لا یریٰ فی الدارین مع اللہ غیر اللہ۔"

(جادۂ عرفان صفحہ نمبر ۳۔۲)

(ترجمہ: صوفی وہ ہے جو دونوں جہاں میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا)

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ اپنی تصنیف ''عوارالمعارف''میں تحریر فرماتے ہیں:

"فاستو فوجمیع اقسام المتبابعته و حیاسنته اقضی الحاجات۔"

(عوارف المعارف صفحہ نمبر ۲۷)

(ترجمہ: صوفیا نام ہے اس گروہ کا جس نے ہر قسم کی پیرویٔ رسول کا حق ادا کر دیا اور سنت رسول کو انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا۔)

شیخ الشیوخ نے شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"قال القائمون بعقولھم علی فھم السنتہ والعاکفون علیھا بقلوبھم والمعتصمون بسیدھم من شرنفوسھم و ھم الصوفیہ۔"

(ترجمہ: جو لوگ سنت رسول پر اپنی عقل کو صرف کرتے ہیں

اور اپنے قلب سے متوجہ رہتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثت سے اپنے سرورِ دوسرا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں وہی صوفیاء ہیں۔)

شیخ الشیوخ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ھذا وصف قامْ وصفھم بہ یہ ان کی بہترین تعریف ہے جو کی گئی۔

حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللمع میں صوفی کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ:

"ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا۔ یہ لفظ ذرا ثقیل تھا۔ کثرت استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا۔" حضرت ابوالحسن قناد رحمتہ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ صوفی لفظ صفا سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے۔ ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے کہ جو لوگ کدورت بشریت سے پاک و صاف کر دیئے گئے وہ صوفی کہلانے لگے۔ ایک اور بزرگ کی رائے میں ان لوگوں کا **لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف (پشمینہ) ہوتا ہے اس** لئے یہ صوفی کہلائے۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔ وقس علیٰ ھذا۔" (تصوف اسلام)

حضرت شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے **"کشف المحجوب"** میں اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"مردماں اندر تحقیق ایں رسم بسیار سخن گفتہ اند و کتب ساختہ و گروہے ازاں گفتہ اند کہ صوفی را برائے آں صوفی خواندہ اند کہ جامہ صوف دارد و گروہے گفتہ اند کہ صوفی را برائے آں صوفی خوانند کہ از صف اول باشد و گروہے گفتہ اند کہ بداں صوفی گویند کہ تولا بہ اصحاب صفہ کردہ اند۔ و گروہے گفتہ اند ایں اسم از صفا مشتق است۔ و ہر کسے را اندریں معنی اندر تحقیق ایں طریقت

لطائف بسیار است امابہ متقضائے لغت ازیں معنی بعید باشد"

(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۲۵)

(ترجمہ: اس نام کی تحقیق میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں اور بہت سے قول ہیں۔ایک گروہ کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامۂ صوف میں ملبوس رہتے تھے اسلئے صوفی کہلائے۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی کا ماخذ صف اوّل ہے۔ یہ حضرات چونکہ صف اوّل میں رہتے تھے اسلئے لقب صوفی سے موسوم ہوئے۔ایک گروہ کا مسلک ہے کہ چونکہ ان لوگوں کو اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی اسلئے یہ صوفی کہلائے۔ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے بتاتی ہے اور ہر گروہ اپنی تائید میں خوب خوب نکتہ پیدا کرتا ہے لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں ہوتی۔)

حضرت شیخ علی ہجویری کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب صفا (صفائی) کا حامل ہو اور کدر (گندگی) سے خالی اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہنچ سکتے ہیں۔ تحریر کرتے ہیں کہ:

صفا ضد کدر بود و کدر صفت بشر بود و جہ حقیقت صوفی بود آنکہ اوازکدر گزر بود۔

(کشف المحجوب)

(ترجمہ: صفا (صفائی) کدر (گندگی) کی ضد ہے اور کدر انسان کی صفت ہے۔اس کے صوفی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کدر سے دور ہوتا ہے۔)

دوسری جگہ تحریر ہے کہ:

صوفی نامے است کہ مر کاملان ولایت را محققان بدیں نامے خواندہ اند۔

(کشف المحجوب)

(ترجمہ : صوفی ایک ایسا نام ہے جس سے کاملان ولایت کو محققوں نے موسوم کیا ہے۔)

چنانچہ دور اوّل کے مشائخ طریقت میں سے کسی بزرگ کا قول ہے کہ:

من صفاه الحب فهو صاف و من صفاه الحبيب فهو صوفی۔

(كشف المحجوب)

(ترجمہ :جب کسی کو محبت صاف کر دے وہ صافی ہے اور جسے محبوب اپنے لئے صاف کرے وہ صوفی ہے۔)

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ:

صوفی نامے است مر کاملان ولایت را و محققان اولیاء را بدیں نام خواندہ اند...... صوفی آں بود کہ از خود فانی بود و بحق باقی از قبضہ طبائع رستہ و بہ حقیقت حقائق پیوستہ۔

(شرح اداب المريدين)

(ترجمہ : صوفی ایک نام ہے کاملان ولایت کیلئے اور محققوں نے اولیاء کو اسی نام سے موسوم کیا ہے...... صوفی وہ ہے جو خود سے فانی اور حق کے ساتھ باقی ہو خواہشات نفسانی سے چھٹکارا پاچکا ہو اور حقائق کی حقیقت سے پیوستہ ہو۔)

ایک اعتراض اوراس کا جواب : حضرات صوفیائے کرام کون ہیں اور اسلام میں ان کی کیا حیثیت اور عظمت ہے اس کی تشریح محققین نے شروع ہی سے کی ہے۔ اور ہر دور میں کرتے رہے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہوا۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے اور آج بھی موجود ہے جو ان تصریحات کو نہیں مانتا۔ ان حضرات کا قول ہے کہ عہد رسالت میں کوئی شخص بھی صوفی کے لقب سے ملقب نہیں ہوا۔ یہ اصطلاح متاخرین نے اختراع کی اور اہل بغداد نے اسے رائج کیا۔ اس لئے اسلام میں اس کی نہ تو کوئی حقیقت ہے نہ وقعت۔ حالانکہ اس

اعتراض کا شافی جواب بہت پہلے ہی حضرت شیخ ابونصر سراج رحمتہ اللہ علیہ (م ۳۷۸ھ) نے اپنی تصنیف "**کتاب اللمع**" میں دے دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ : اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا تھا یہ اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف و اعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی کیونکہ صحبت رسول تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ہو، ان کے فضائل تھے۔ ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا۔ پس جب کسی کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی اور کوئی محل ہی باقی نہیں رہا کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائے۔)

(تصوف اسلام صفحہ نمبر ۳۴ بحوالہ کتاب اللمع صفحہ نمبر ۲۲)

رہا یہ اعتراض کہ یہ اصطلاح اہل بغداد کی رائج کی ہوئی متاخرین کی اختراع ہے تو حضرت شیخ کے نزدیک یہ بھی غلط ہے کیونکہ:

لان فی وقت الحسن بصری رحمته الله علیه کان یعرف هٰذا الاسم و کان الحسن قدادرك جماعته من اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تصوف اسلام صفحہ نمبر ۳۴ بحوالہ کتاب اللمع صفحہ نمبر ۲۲)

(ترجمہ : یہ لفظ (صوفی) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں رائج تھا اور ان کا زمانہ صحابیوں سے معاصرت کا زمانہ تھا۔)

حضرت شیخ علی ہجویری نے "**کشف المحجوب**" میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی لوگ اہل تصوف کی اصطلاح

سے آشنا تھے ملاحظہ ہو۔

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ أهل التصوف فلا يو من على دعا ئهم كتب عندالله من الغافلين۔

(كشف المحجوب)

(**ترجمہ**: جو اہل تصوف کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تصنیف **"تصوف اسلام"** میں لکھتے ہیں کہ

> کتاب **"اخبار مکّہ"** میں جو روایت محمد بن اسحاق بن یساء وغیرہ سے ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر ہی معروف تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

اس وضاحت کے بعد لفظ صوفی پر یا اولیاء اللہ کو صوفی یا اہل تصوف کے لقب سے ملقب کئے جانے پر کسی اعتراض کا کوئی محل باقی نہ رہا۔

ایک منفرد نقطۂ نظر: بہار کے عظیم المرتبت فردوسی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ العزیز نے تصوف اور اہل تصوف کی معنا ابتدا پشت بہ پشت اس کی ترویج اور تصوف انبیاء کے اہتمام پر نہایت ہی دلکش انداز میں مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں جتنی بحثیں ہیں حضرت مخدوم جہاں کا نقطۂ نظر ان سب سے الگ اور منفرد ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "اگر تصوف کی ابتداء پر غور کرو تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا۔ پھر اجتباء اور اصطفاء کے مقام پر پہنچایا۔ خلافت عطا فرمائی پھر صوفی بنایا۔ ان خاص معاملات کو اشارات کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے۔ مرید کو آغاز ارادت میں چلّہ کرنا پڑتا ہے۔ اول اول

طائف ومکہ کے درمیان چلہ کیا۔ خَمَّرتُ طِینۃَ آدمَ بِیَدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحاً۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا۔ جب یہ تجرید کا چلہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ' نے اس میں روح عنایت فرمائی۔ اور عقل و دانش کا چراغ اسکے دل میں روشن کر دیا۔ پھر کیا (تھا)' دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منہ سے انوار و اسرار کے پھول جھڑنے لگے۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے۔ خدا کا شکر و احسان بجالائے۔ حضرت سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے من اخلص الله اربعین صباحاً اظهرهُ اللهُ ینابیعَ الحکمة من قلبهٖ علیٰ لسانهٖ۔ جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لئے خاص کر دیئے اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائیگا۔ پھر آپ نے بجا آوری شکر و احسان کے بعد آسمان کا قصد کیا اور پہلے ہی جلوس میں ملائکہ کے سجود کی سلامی گزری۔ آپ کو اول خلافت میں یہ اعزاز مرحمت ہوئے۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بہشت کا قصد کیا اور تمام بہشت کو دیکھا بھالا۔ یہاں کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہیں اپنے جی سے کوئی بات نہ کر لینا۔ پھونک کر قدم رکھنا۔ ذرا سنبھل کے چلنا۔ مرید کو خود کوئی اختیار نہیں۔ آپ نے سب کچھ سن لیا۔ مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں رو کے نہ رکے۔ جرأت کر بیٹھے۔ غیب سے عَصیٰ آدم ربه فغویٰ (   ) کی شمشیر عتاب کھنچی۔ آپ چونک پڑے۔ عرق ندامت میں ڈوب گئے۔ اب بجز استغفار کے کوئی چارہ نہ تھا۔ جان و دل سے اس کام میں لگ گئے۔ ربنا ظلمنا انفسنا۔ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر

ظلم کیا۔ صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جو کچھ اسباب خواجگی مرحمت ہوا تھا سب چھین لیا گیا۔ خلعت خلافت اتار لیا گیا۔ اب جسم ننگا بے ستر تھا اور زبان پر استغفار۔ کہا گیا' اے آدم' اسی مفلسی اور ذلت کے ساتھ دنیا کا سفر کر کیونکہ مرید کے لئے ضروری شرط ہے کہ جب اس سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو اس کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت آدم نے تنہا دنیا کے سفر کا قصد کیا۔ جسم ننگا تھا۔ حکم ہوا اے آدم ہر ایک درخت سے ایک ایک پتا بھیک مانگ۔ تین پتے آپ کو ملے۔ ان کو سی کر گدڑی بنالی۔ اسے پہن کر خود کو چھپالیا اور اس خاکدان دنیا میں تشریف لائے۔ مگر تین سو برس تک روتے رہے۔ پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور درجہ' اصطفاعطا کیا گیا۔ **ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم**۔ اب کیا تھا تصفیۂ کامل ہو گیا۔ صوفی صافی بن گئے۔ وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا' آپ اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیث علیہ السلام کو آپ نے پہنادیا اور خلافت بھی سپرد کی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسلِ اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا۔ اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر رازونیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صوفی صافی اوّل حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت درانجمن کے لئے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی۔ یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبۂ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمبل پر اکتفا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود

ہمیشہ وہی ایک کمل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو عنایت فرمایا تھا۔ طریقت میں پیر کے لئے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لائق بناوے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامۂ صوف پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں۔ جن میں عبادتیں کی جاتیں اور اسرار الٰہی کی تعلیم ہوتی۔ پھر جب دور مبارک حضرت سیدنا و نبینا سلطان الاولیاء و انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا آپہنچا۔ حضور ﷺ نے بھی اسی طرح کمل اختیار کیا۔ ملۃ ابیکم ابراہیم (تمہارے باپ ابراہیم کا یہی طریقہ رہا اور ان کی روش بھی یہی رہی) اور اسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔ علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکان راہ طریقت بعنوان خاص تھا ان سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ ان میں بعض پیر تھے، بعض جوان جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ و بلال و ابوذر و عمار رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھاتے اور اسرار الٰہی کی باتیں کرتے۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحائے عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس خاص جماعت صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔ حضرت سید عالم ﷺ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہ کی عزت و تکریم فرماتے تو انکو ردائے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے۔ صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔ اب تم جان سکتے ہو کہ **تصوف اور طریقت کی اول اول ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے**

ہوئی اور اسکا تتمہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(ترجمہ مکتوبات صدی بائیسواں مکتوب)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہے کہ تصوف کی ابتدا معنوی اعتبار سے انسان اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ہوئی اور پشت بہ پشت اس کا سلسلہ حضور سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک دراز ہوا بلکہ انبیا کرام جس معنوی تصوف کے حامل رہے اس کا اتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوا۔ اور آپ کے صحابہ نے آپ سے یہ طریقہُ باطنی اخذ کیا اور اس کی اشاعت اسی طرح کی جیسے قرآن مجید اور حدیث پاک کی۔ لہٰذا یہ سلسلہ گزشتہ سے پیوستہ ہے اور اسے کسی طرح الحاقی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے فنی شکل بعد میں دی گئی۔ اور ضرورتاً اصطلاحات بھی وضع کی گئیں۔ جیسا کہ ہر فن کا خاصہ ہے۔

اہل تصوف کی قسمیں: حضرت شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اہل تصوف کی تین قسمیں بتائی ہیں۔(۱) صوفی (۲) متصوف اور (۳) مستصوف ۔ فرماتے ہیں کہ :

> صوفی آں بود کہ از خود فانی بود و بحق باقی واز قبضہ طبائع رستہ و بہ حقیقت پیوستہ، و متصوف آنکہ بمجاہدہ ایں درجہ را ہمی طلبید و اندر طلب خود را بر معاملات ایشاں درست ہمی کند۔ و مستصوف آنکہ برائے مال و منال و جاہ و حفظ دنیا خود را مانند ایشاں کردہ واز یں ہر دو چیز خبر ندارد تا احدے کہ گفتہ **اند المستصوف عندا لصو فیہ کالذباب و عندغیر ھم کالذاب.**
>
> **(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۲۵)**

(ترجمہ : صوفی وہ ہے جو خود سے فانی ہو اور حق کے ساتھ باقی ہو اور مادیت سے گزر کر حقیقت تک رسائی حاصل کر چکا ہو اور متصوف وہ ہے جو مجاہدہ میں ہو اور اس درجہ تک پہنچنے کی

طلب رکھتا ہو اور اپنے معاملات کو درست کر رہا ہو۔ اور مستصوف وہ ہے جو محض جاہ و منال کے لئے دنیائے طلبی کی خاطر اپنے کو صوفی اور متصوف کے مشابہہ بنائے اور حقیقت میں ان دونوں کے احوال سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ مستصوف صوفی کی نظر میں مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور دوسرے کی نظر میں بھیڑیئے کی مانند جس کی غذا ہی خون اور گوشت ہے۔)

اہل تصوف کے درجات : اہل تصوف کے درجات بھی تین ہیں۔ مبتدی، متوسط اور منتہی۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

اهل تصوف برسه درجه اند .یکے مرید طالب است.و طلب درمعاملات ظاهر استعمال کنند .و متوسط است و آورنده(یعنی درسیر) است و سیر در احوال دل استعمال کنند و دیگر منتهی و اصل است.

﴿شرح اداب المریدین﴾

(**ترجمہ :** اہل تصوف تین درجوں میں (منقسم) ہیں۔ ایک تو مرید طالب ہے۔ طلب (کی اصطلاح) معاملات ظاہر کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے متوسط ہے اور سیر میں مشغول ہے۔ سیر (کی اصطلاح) دل کے احوال کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ (تیسرے) انتہا کو پہنچا ہوا واصل (بحق)۔)

مندرجہ بالا عبارت میں اہل تصوف، صوفی اور متصوف کو کہا گیا ہے۔ مستصوف کو نہیں کیونکہ اسے نہ تو طلب سے کوئی سروکار ہے اور نہ سیر سے اور طلب کا مرحلہ طئے کئے بغیر تو سیر کا سوال ہی نہیں۔ مستصوف محض ڈھونگی ہے۔ اہل تصوف کا سوانگ رچاتا ہے تاکہ دینوی منفعت حاصل کرے راہ سلوک میں

جو انتہا کو پہنچ جائے وہ منتہی ہے اور حقیقتاً صوفی وہی ہے۔ مبتدی یعنی مرید طالب اور متوسط یعنی سائر الی اللہ دونوں ہی متصوف کے زمرے میں آتے ہیں۔

راہ تصوف کی منزلیں: راہ تصوف کی تین منزلیں ہیں۔ علم، عمل اور موہبت۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

"تصوف کی ابتدا علم سے ہے۔ اور اس کا اوسط عمل ہے اور انتہا اس کی موہبت (یعنی بخشش جو خدائے تعالیٰ کی دین ہے۔) یعنی اولاً یہ گروہ علم شریعت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے حاصل کرتا ہے، پھر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کے بعد آخر میں بطور بخشش سزاوار قرب حق گردانا جاتا ہے۔ اور قرب حق صفت سے ہے نہ کہ مکان سے۔ لہٰذا جو زیادہ جاننے والا اور زیادہ پاک (گناہوں سے) ہے وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے زیادہ نزدیک ہے۔ یہ گفتگو (اس بات کی) دلیل ہے کہ یہ گروہ تمام کا تمام اہل علم ہوا کیا ہے اور اس راہ میں پہلا مقام علم ہے۔ جو کوئی علم کے بغیر عبارت آرائی کرتا ہے، جھوٹا ہے۔ چنانچہ منافقین علم توحید میں باتیں بناتے تھے، چونکہ علم جانتے نہ تھے، نام کاذبان پایا...... تو علم مراد کو واضح کر دیتا ہے۔ اور عمل (راہ) طلب میں سہارا دیتا ہے۔ (جبکہ) بخشش، امید واثق ہے، انہیں مقصود و مطلوب تک پہنچادیتی ہے۔ یہیں سے (یہ بات) نکلتی ہے کہ کشائش حق میں سے ایک کشش وزنی اعمال کے برابر ہے (بلکہ اس سے زیادہ)۔ (شرح آداب المریدین)

ادوار تصوف: جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ تصوف کی راہ قدیم اور دیرینہ ہے۔ معنوی اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی تھے اور ان سے تصوف معنوی کا جو سلسلہ پشت بہ پشت چلا وہ حضور سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اختتام پذیر ہوا۔ ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی اس طویل مدت کے دوران انبیاء کرام علیہم السلام اسی تصوف معنوی پر عمل پیرا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تصوف کا دور اول یا پیشرو دور ہے۔ اس دور میں تصوف معنا شایع رہا اور ذوق بندگی کو وسعت کیف ہماہمی اور استحکام بہم پہنچاتا رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جہاں شریعت حاصل کی وہیں طریقت بھی اخذ کی۔ ان نفوس قدسیہ کے شب وروز صوفیانہ اخلاق اور کیفیات سے مزین تھے۔ خلافت راشدہ ۴۰ھ میں اپنی نہایت کو پہنچی۔ اس دوران معنوی تصوف کو **"روش احسانی"** سمجھا جاتا رہا۔ تصوف کا یہ دوسرا دور ہے گو کہ اس دور میں تصوف یا صوفی کا لفظ زیادہ استعمال نہیں ہوا ان کی جگہ احسان اور محسنین کی مخصوص اصطلاحیں استعمال کی جاتی رہیں، لیکن تصوف بہر حال عملی زندگی میں کارفرما رہا۔ خلفائے راشدین، حضرات عشرہ مبشرہ اور دیگر اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کی تعداد قریب قریب ستر تھے اس دور کی نمایاں شخصیتیں تھیں جن کا شمار اہل تصوف میں کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث نبوی میں اشارہ موجود ہے۔ یہ حدیث قبل بیان کی جاچکی ہے۔

تصوف کا تیسرا دور برگزیدہ تابعین حضرات کے انوار سے منور ہے۔ اور تقریباً ایک سو سال پر پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ۴۰ھ سے ۱۵۰ھ تک اس دور میں اہل بیت میں سے حضرات حسنین (حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین) علیہم السلام کے علاوہ چار بزرگ شخصیتیں نمایاں حیثیت کی حامل ہیں، ایک حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے حضرت حسن بصری اور چوتھے حضرت کمیل بن زیاد رحمہم اللہ علیہم اللہ اجمعین۔ یہ حضرات تصوف مابعد کے اہم ستون ہیں۔ ان ہی کے واسطے سے بعد کے صوفیا نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے جوڑے رکھا ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قرن کے رہنے والے تھے اور عہد رسالت میں موجود تھے۔ لیکن چند وجوہ کی بنا پر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لقائے صوری حاصل نہ ہو سکی۔ مگر رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے ان کی والہانہ محبت اور شیفتگی کا یہ حال تھا کہ جب خبر ملی کہ جنگ احد میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوگئے تو بیچین ہو اٹھے اور اپنے سارے دانت توڑ ڈالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ان کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ

"قرن میں اویس نامی ایک مردِ خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری اُمّت جنّت میں داخِل ہوگی۔"

(کشف المحجوب (اردو) صفحہ نمبر ۱۳۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خرقہ مبارک بھی آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی معرفت بھیجا تھا۔ اس سے آپ کے علوئے مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تصوف کی اویسی نسبت آپ ہی سے منسوب ہے۔ اس نسبت کا ثمرہ ہے لقائے صوری کے بغیر کسی باحیات یا فوت شدہ بزرگ سے بربنائے محبت و عقیدت فیضیاب ہونا۔

تصوف کا تیسرا دور ملوکیت کی ابتداء کے ساتھ ہی شروع ہوا۔ خلافت راشدہ ختم ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ بلکہ قائم کردہ بابرکت نظامِ حیات میں دراڑ پڑ چکی تھی۔ بیت المال جو عوام کی ملکیت تھا' وہ سلاطین کا ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی امراُو سلاطین کے عیش و عشرت پر لٹائی جانے لگی تھی۔ خدا ترسی ناپید ہو گئی تھی۔ فرمان خداوندی اور ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویت گزشتہ منازل کے نورانی غبار میں کہیں دب گئی تھی۔ لفظی رگڑے جھگڑے ہونے لگے تھے۔ حق شناسی' اخوت' مساوات' ایثار و قربانی اور عدل وانصاف کی پرچھائیاں خال خال باقی رہ گئی تھیں۔ مسجدیں تک صاحبان اقتدار اور ان کے اہلکاروں کے دست برد سے نہ بچی تھیں۔ نتیجہ! سکون و اطمینان معاشرہ سے رخصت ہو گیا۔ ذکر واذکار کیلئے مساجد کے گوشے بھی محفوظ نہیں

رہے۔اورایک عام ابتری پھیل گئی۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اس صورتحال کا ماتم نہایت لطیف پیرائے میں اس طرح کیا ہے۔

یکے از مدعیان علم درویشے راگفت که ایں کبود چرا پوشیدی ۔ گفتیکه از پیغمبر صلی اللہ علیه وسلم سه چیز بماند .یکے فقر، دیگر علم و سه دیگر شمشیر .شمشیر سلطانان یافتند نه درجائے آں کارفرمودند ۔ وعلم علماء اختیار کردند باموختن پسند کردند۔ وفقر گروه فقراء اختیار کردند و آں راآلت غنا ساختند.من برمصیبت ایں سه گروه کبود اندرپوشیدم۔

(کشف المحجوب صفحه نمبر ۳۹)

(ترجمہ : کسی مدعیٔ علم نے ایک درویش سے پوچھا کہ نیلا لباس کیوں پہنا ہے۔جواب دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں باقی رہیں۔ایک فقر، دوسرے علم اور تیسرے تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے پائی مگر اسے بجا طور پر استعمال نہ کیا۔ علم علما نے اختیار کیا مگر صرف پڑھنے کی حد تک۔ فقر گروہ فقراء نے لے لیا اور اسے حصول دولت کا ذریعہ بنایا۔ میں نے ان تینوں گروہوں کی مصیبت پر نیلا لباس پہن لیا۔)

اس ابتر صورتحال کا افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ مخلصین اور صحیح دینی مزاج رکھنے والے معاشرہ سے الگ تھلگ اور گوشہ گیر ہو گئے۔ان کا دل یک لخت دنیا اور اس کے جھمیلوں سے اچاٹ ہوگیا اور دل مضطرب کو یادالٰہی سے سکون پہنچانا ان کی زندگی کا ایک ہی مقصود بن گیا۔اس دور میں یہی وہ پاک نفوس تھے جن کے دم سے تاریکیوں میں جگہ جگہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ان ہی میں چند ایسے باہمت اشخاص بھی تھے جنہوں نے حالات کی تمام تر نامساعدت کے باوجود

زبردست جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے خانقاہیں قائم کیں۔ تاکہ طالبین کو ریاضت و مجاہدہ کیلئے پرسکون جگہ میسّر آسکے۔ اس موضوع پر آئندہ تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ فی الحال یہ بتانا مقصود ہے کہ صوری اعتبار سے خانقاہوں کے قیام کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔

الغرض اس دور کے بزرگوں نے جن مشکل حالات میں تصوف یعنی روح اسلام کی شمع کو روشن رکھا ہے اس کا اندازہ کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔ 'کشف المحجوب' میں تحریر ہے کہ جب حضرت حسن بصری حجاج کے ظلم سے تنگ آکر حضرت حبیب عجمی کی خانقاہ میں تشریف لائے تو حجاج کے سپاہی تعاقب کرتے ہوئے اندر گھس آئے لیکن حضرت حسن بصری کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کس طرح زہر دے کر شہید کیا گیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کیسے دشت کربلا میں شہید ہوئے، ہر مسلمان جانتا ہے۔ کم و بیش یہی حال دوسرے بزرگوں کا بھی رہا۔ اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

تصوف کا چوتھا دور ۱۵۱ھ سے ۴۰۰ھ تک متعین کیا جاسکتا ہے۔ تبع تابعین میں جو صوفیائے کرام ہوئے ہیں وہ اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دور کی اہم اور نمایاں شخصیتوں کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔

حضرت حبیب عجمی (م ھ) حضرت مالک بن دینار (م ۱۳۷ھ)، حضرت فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ)، حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ) حضرت ابراہیم ب[illegible] ادہم (م ۱۶۱ھ) حضرت بشر حافی (م ۲۲۷ھ) حضرت بایزید بسطامی (م ۲۳۴ھ) حضرت حارث محاسبی (م ۲۴۰ھ)، حضرت داؤد طائی (م ھ) حضرت سری سقط[illegible] (م ۲۵۷ھ) حضرت امام زین العابدین (م ۹۴ھ) حضرت امام محمد باقر (م ۱۱۴ھ) حضرت امام جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) حضرت امام موسیٰ کاظم (م ۱۸۲ھ) حضرت ا[illegible] علی رضا (م ۲۰۰ھ) حضرت معروف کرخی (م ۲۰۴ھ)

حضرت حاتم بن اصم (م ۲۱۴ھ) حضرت ابوعبداللہ بن خفیف (م ۳۳۱ھ) حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) حضرت ابوحفص حداد (م ۲۶۵ھ) حضرت امام شبلی (م ۳۳۴ھ) حضرت ابوالحسن بن محمد نوری (م ھ) حضرت سہل بن عبداللہ تستری (م ۳۸۳ھ) حضرت ابوالعباس سیاری (م ۳۴۲ھ) حضرت ابوسعید بن ابوالخیر، حضرت عبدالرحمٰن سلمی (م ۳۷۸ھ) اور بہت سارے آسمان تصوف کے آفتاب و ماہتاب ۔

یہ دور تصوف کا دور زرّیں ہے۔ اس دور میں تصوف کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اہل قلم صوفیاء کی کوششوں سے تصنیف و تالیف کا باب کھلا اور بہت سارے رسائل اور کتابیں لکھی گئیں۔ حضرت شیخ ابونصر سراج کی ''کتاب اللمع' شیخ حارث محاسبی کی 'رغائب' شیخ ابوسعید ابن العربی کی 'طبقات' شیخ ابومحمد الخلدی کی ''حکایات اولیاء'' اور ابوعبدالرحمٰن السلمی کی 'طبقات الصوفین' نیز دیگر اہل قلم صوفیائے کرام کی قلمی کاوشیں جن کا ذکر نہ ہوسکا تصنیفات تصوف میں نقوش اولین بن کر سامنے آئیں۔ نکات تصوف کی وضاحت اور تشریحات اور ذاتی تجربات و مشاہدات کی تفصیلات نے فکر و فہم کو ہمہ جہتی وسعتیں عطا کیں۔ نیتجتاً صوفیوں کے متعدد مذاہب یا مسالک معرض وجود میں آئے۔

طیفوریہ 'نوریہ' محاسبیہ' قصاریہ' تستریہ' حکمیہ' خرازیہ' خفیفیہ' سیاریہ' جنیدیہ اور سہیلیہ۔ ان مسالک حقہ کے ساتھ ہی دو گمراہ اور بے دین مسالک حلولیہ اور حلاجیہ نے بھی حیطۂ تصوف میں در آنے کی کوشش کی لیکن ان کا بھرپور رد کرکے بروقت تدارک کر دیا گیا۔ تصوف کے ہر مسلک میں باہمی افہام و تفہیم کیلئے نئے نئے پر مغز اصطلاحات وضع کئے گئے۔ (جیسے فنا' بقا' سکر' صحو' تجرید' تفرید' جمع' تفرقہ وغیرہ) اور تصوف جس کی شناخت باریک بیں نگاہوں کو میدان عمل میں کیفیات و احوال سے ہوتی تھی اب باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کرنے کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ اور لوگ اسے عام طور سے جاننے

پہچاننے لگے بلکہ یہ ان کے لئے وجہ کشش بن گیا کیونکہ بقول حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمتہ اللہ علیہ

"تصوف وہ علم ھے جس سے تزکیۂ نفس تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاھر و باطن کا علم ھوتا ھے تاکہ سعادت ابدی حاصل ھو۔"

ظاہر ہے جس علم و فن سے سعادت ابدی میسر آئے اس کا وجہ کشش ہونا فطری امر ہے۔

ابتدائے ملوکیت میں صاحبان اقتدار کی چیرہ دستیوں سے سوائے خوشامدی، چاپلوس جی حضوریوں کے کوئی محفوظ نہ تھا۔ اہل تصوف پر ان کی بے نیازی کے سبب کچھ زیادہ ہی نظر تھی۔ لیکن زمانۂ مابعد میں صورتحال قدرے بہتر ہو گئی۔ صوفیائے کرام کے ساتھ دار و گیر کا معاملہ نرم پڑ گیا بلکہ ختم کر دیا گیا۔ امرا و سلاطین بھی عام لوگوں کی مانند ان بوریہ نشینوں کی عظمت تسلیم کرنے لگے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً ان کی ڈیوڑھی پر حاضری بھی دینے لگے۔ لیکن خود صوفیائے کرام پہلے ہی کی طرح ان سے کنارہ کش اور خلوت نشیں رہے۔ اور اگر ملاقات کی نوبت آجاتی تو پھر ان کی بے راہ روی پر ٹوکنے سے باز نہ آتے۔ **"تذکرۃ الاولیاء"** میں ہے کہ:

"ایک بار خلیفہ ھارون الرشید اپنے وزیر فضل کے ساتھ خواجہ فضیل بن عیاض سے ملنے ان کے گھر گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا وزیر نے دستک دی۔ آواز آئی کون ھے اور کیا چاھتا ھے؟ وزیر نے کھا امیر المومنین حضرت سے ملنے آئے ھیں۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ امیر المومنین کو مجھ فقیر سے کیا کام اور میرا ان سے کیا واسطہ۔ وزیر نے کھا بادشاہ کی اطاعت واجب ھے...... (اور قرآن مجید کی ایک آیت سنائی) خواجہ

نے آکر دروازہ کھول دیا اورچراغ بجھا کر کونے میں جاکھڑے ہوئے ۔خلیفہ اوروزیر اندرآگئے ۔اسی درمیان ھارون الرشید کا ھاتھ آپ کے ھاتھ سے اندھیرے میں چھوگیا۔ فرمایا کیسا نرم ھاتھ ھے کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔خلیفہ بہت متاثر ھوا اوردرخواست کی کہ کچھ اورنصیحت کیجئیے۔فرمایا تیرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے تجھ کو معلوم ھوگا۔انھوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صوبہ کی گورنری کی درخواست کی تھی تو حضور نے فرمایاتھاکہ یا عم بك نفسك (یعنی اے چچا جان میں نے آپ کو آپ کے نفس کا امیر بنا یا)ھارون الرشید نے کہا کہ حضرت کچھ اور نصیحت فرمائیے۔حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ ملك تیرا گھر ھے اورخلقت تیرے متعلقین ٗ ماں باپ کے ساتھ نرمی ٗ بہن بھائیوں کے ساتھ مہربانی اور بچے بچیوں کے ساتھ نیك سلوك کر۔اگرکوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سوجائے گی تووہ بھی بروز محشر تیری دامن گیر ہوگی۔

("تذکرۃ الاولیا" از خواجہ فریدالدین عطارؒ صفحہ نمبر ۸۴۔۸۳)

مختصر یہ کہ اس دور میں حالات موافق ہوگئے اور تصوف کی ترویج خاصے بڑے پیمانے پر ہوئی۔ بغداد ٗ بصرہ ٗ کوفہ ٗ مصر ٗ خراساں ٗ نیشاپور نیز مملکت اسلامیہ کے دوسرے کئی شہر اہل تصوف کے فعّال مراکز بن گئے۔ لوگ یہاں حاضر ہوتے اور "سعادت ابدی" کی تحصیل کے طریقے سیکھتے اور

"بقدر پیمانۂ مقدر مراد جھولی میں اپنی بھر کے" اپنے مستقر کے طرف لوٹ جاتے۔

تصوف کا پانچواں دور کہا جا سکتا ہے کہ ۴۰۰ھ سے ۵۰۰ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کے ممتاز صوفیاء کرام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب، حضرت ابو علی بن حسین بن محمد دقاق (م ــــھ) حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی (م ۴۲۵ھ) حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی (م ــھ) حضرت ابوالقاسم قشیری (م ۴۶۵ھ) حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی (م ۴۸۱ھ) حضرت ابو محمد چشتی (م ۴۱۱ھ) حضرت شیخ عبداللہ انصاری ہروی (م ــــھ) حضرت ابواسحٰق شہریار گازرونی (م ــــھ) حضرت ابوسعید ابوالخیر (م ــــھ) حضرت شیخ عثمان علی ہجویری (م ۴۷۰ھ)

گزشتہ دور میں تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اس دور میں بھی اہل قلم حضرات نے اسے جاری رکھا بلکہ آگے بڑھایا۔ حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف کیے۔ ان کے "**رسالہ قشیریہ**" کو بہت شہرت ملی۔ فن تصوف پر یہ نہایت اہم رسالہ ہے۔ اس وقت تک تصوف کی جتنی اصطلاحیں وضع ہو چکی تھیں وہ سب اس رسالے میں جمع ہیں۔ نیز حضرت شیخ نے اس رسالے میں مدلل طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف دین سے باہر نہیں۔ اسکے اندر کی چیز ہے۔ حضرت **شیخ علی ھجویری** نے تصوف کے موضوع پر '**کشف المحجوب**' تصنیف کی۔ ان کی اس گرانقدر تصنیف کو بڑی مقبولیت اور عظمت حاصل ہے۔ فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ **حضرت شیخ عبداللہ انصاری ھروی** کی '**منازل السائرین**' "**طبقات الصوفیہ**' '**کتاب جامع الکلام**' اور '**مناجات**' بھی اہل علم کے درمیان بے حد مقبول رہی ہیں۔

تصنیف و تالیف کے لئے اہل تصوف اب تک نثر ہی کی طرف متوجہ رہے تھے۔ لیکن اس دور میں پہلی مرتبہ صوفیانہ خیالات نظم میں بھی پیش کیے گئے۔ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر اس دور کے بہت بڑے صوفی شاعر تھے۔ آپ کی رباعیوں اور مناجات نے تصوف کی ترویج میں بہت مدد کی۔ علامہ شبلی مرحوم نے شعرالعجم جلد ۵ میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

"سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابوسعید ابی الخیر نے اداکئے۔وہ شیخ بوعلی سینا کے ہمعصر تھے۔"

اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ صوفیاء کے اندر سلاطین وقت سے دور رہنے کا خیال بڑی حد تک نرم پڑ گیا۔ سلسلۂ چشتیہ کے عظیم المرتبت بزرگ **حضرت خواجہ ابومحمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ** کے تذکرے میں صاحب 'سفینۃ الاولیا' نے تحریر کیا ہے کہ

"غزوۂ سومنات میں محمود سبکتگین کے ہمراہ ستر سال کی عمر میں محمود کی امداد کے لئے بحکم الہی گئے تھے۔آپ کی برکت قدم سے سومنات فتح ہوا۔"

(سفینتہ الاولیاء صفحہ نمبر ۱۱۵)

اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے سلاسل کی تنظیم پشت بہ پشت اور دست بدست اتصال کے اعتبار سے کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس سے پہلے اہل تصوف کی شناخت ان کے ذاتی علوئے مرتبت کے لحاظ سے ہوتی تھی یا مسلک اور مذہب کے اعتبار سے ہوا کرتی تھی۔ جیسے جنیدیہ 'سہیلیہ' خرازیہ وغیرہ۔ لیکن اس دور میں ذہن بدلا اور بزرگوں کا ذکر اس طرح ہونے لگا کہ فلاں کے مرید فلاں ہیں اور ان کے مرید فلاں ہیں۔ گو کہ مذہب کی نشاندہی جس طرح پہلے کی جاتی تھی اسے بھی باقی رکھا گیا۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے '**متاخرین ائمہ و مشائخ**' کے عنوان کے تحت

چند بزرگوں کا ذکر اسی طرح کیا ہے۔ مثلاً اپنے پیر بیعت حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"طریقت میں میری ارادت انہیں سے ہے۔ تصوف میں حضرت جنید بغدادی کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت خضری کے مرید اور حضرت سردانی کے مصاحب اور حضرت ابوعمر قزوینی اور حضرت ابوالحسن بن سعالیہ رحمہم اللہ علیہم کے ہمعصر تھے۔"

(کشف المحجوب (اردو) صفحہ نمبر ۲۴۵)

تنظیم سلاسل کی یہ کوشش اگلے ادوار میں پایۂ تکمیل کو پہنچی لیکن اس دور کے اختتام تک تصوف نے مکمل طور پر ایک فن کی حیثیت اختیار کر لیا۔

تصوف کا چھٹا دور ۵۰۱ھ سے ۷۰۰ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں جو شخصیتیں خصوصی اہمیت کی حامل تھیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت امام ابوحامد بن محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (م ۵۰۵ھ) حضرت عین القضاۃ ہمدانی (م ۵۲۵ھ) حضرت شیخ احمد بن محمد غزالی (م ۵۳۰ھ) شیخ محمد بن المنصور بن ابی سعید (م ۵۵۸ھ) حضرت شیخ ابونجیب ضیاء الدین سہروردی (م ۵۶۰ھ) حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش (م ۶۱۰ھ) حضرت شیخ روز بہان بقلی (م ۶۰۶ھ) حضرت شیخ عزیز بن نسفی (م ۶۱۸ھ) حضرت شیخ فریدالدین عطار (م ۶۲۰ھ) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) حضرت شیخ محی الدین ابن العربی (م ۶۳۸ھ) حضرت شیخ سعد الدین حموی (م ۶۵۰ھ) حضرت شیخ نجم الدین دایہ (م ۶۶۴ھ) حضرت مولانا جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ) حضرت شیخ فخر الدین عراقی (م ۶۸۸ھ) حضرت خواجہ معین الدین چشتی

(م ۶۲۷ھ) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) حضرت شیخ سیف الدین باخرزی (م ۶۱۴ھ) حضرت صوفی حمید الدین ناگوری (م ۶۷۳ھ) حضرت بابا فرید الدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۷ھ) حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت (م ۶۶۲ھ) حضرت مخدوم یحییٰ منیری (م ۶۹۰ھ) حضرت صابر کلیری (م ۶۹۰ھ)۔

اس دور کا گہرا رشتہ گزشتہ دور سے ہے۔ دراصل تاریخ اسلام میں خلفائے عباسیہ بالخصوص **مامون الرشید** کا دور فلسفہ و حکمت کی ترویج کے لئے بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس دور میں دنیا کے چپہ چپہ سے فلسفہ کی کتابیں جمع کی گئیں۔ اور ان کا ترجمہ عربی میں کرایا گیا۔ **مامون الرشید** نے خاص اس کام کے لئے بغداد میں باضابطہ "**بیت الحکمت**" قائم کیا تھا۔ امراء و سلاطین کی فلسفہ نوازی کا نتیجہ عام عقلیت پسندی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ تشکیک و تذبذب کی بیماری ہر طرف پھیل گئی۔ اور اسلامی معاشرہ ایک عجیب ذہنی و قلبی انتشار کا شکار ہو گیا۔ صوفیائے کرام نے ابتداءً عقلیت پسندی کا مقابلہ "**عشق الٰہی**" سے کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا صحیح توڑ اس وقت ہوا جب حکیم الامت حجتہ الاسلام حضرت **امام ابوحامد بن محمد غزالی** نے علمی میدان کارزار میں قدم رکھا اور صالح علم کلام کی بنیاد رکھتے ہوئے علوم دینیہ اور صوفیانہ افکار و خیالات کو اس انداز میں پیش کیا کہ ذہن کو اطمینان اور قلب کو انشراح حاصل ہو نتیجہ ظاہر ہے تفلسف کے گرد و غبار نے جو پراگندگی پھیلادی تھی وہ بڑی حد تک دور ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ **حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ** کی تصانیف کی تعداد کئی سو تک ہے۔ لیکن تصوف کے موضوع پر آپ کی "**احیاء العلوم**" (بزبان عربی) اور "**کیمیائے سعادت**" (بزبان فارسی) اپنی مثال آپ ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں آپ نے تصوف کے تمام نکات و مسائل کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ تصوف اسلام شریعت سے

الگ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ نیز اسلام ہی وہ واحد شجر سایہ دار ہے جس کی ٹھنڈی چھاؤں تلے انسانی زندگی کا تھکا ماندہ قافلہ ہر اعتبار سے آرام و سکون کی سانس لے سکتا ہے۔

اس دور میں اہل تصوف کو دو محاذوں پر صف آرا ہونا پڑا۔ اہل خرد تو مقابلے میں تھے ہی مولوی حضرات بھی خم ٹھونک کر سامنے آ کھڑے ہوئے اور تصوف کو شدید تنقید کا ہدف بنانے میں لگ پڑے۔ ناقدین کے سر خیل ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی نے "**تلبیس ابلیس**" اور "**صفوۃ الصفوہ**" نام کی کتابیں تصنیف کیں اور ردّ تصوف میں اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ لیکن حقیقت خود کو بہر حال منوا ہی لیتی ہے۔ حضرت امام غزالی کے متعلق ابن الجوزی نے "**تلبیس ابلیس**" میں اپنی رائے اس طرح دی ہے:

> **"حیرت ہوتی ہے کہ علامہ غزالی نے کس طرح اپنے تفقہ فہم و فراست کو پامال کرکے اور اپنے مقام سے بہت نیچے آکر اپنا وقت اور اپنے فہم و دانش کو صوفیہ کے اقوال کے بیان پر صرف کیا ہے۔"**

ایک بڑے مولوی نے ایک عظیم المرتبت صوفی کے تفقہ، فہم و فراست اور دانش کو سلام تو کیا لیکن ان کی صوفیت پر چیں بجبیں رہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

الغرض صوفیائے کرام کے تصور عشق کو جب حکمت غزالی کی کمک پہنچی تو شیطانی فلسفہ کا دم خم جاتا رہا اور "**عشق الٰہی**" کا علم فاتحانہ سر بلند ہوا۔ چنانچہ حضرت احمد غزالی برادر خورد حضرت امام ابو حامد غزالی نے اپنے رسالہ "**سوانح العشاق**" میں تصور عشق کو ایک نئے اور اچھوتے انداز میں بہ بانگ دہل پیش کیا۔ نیز "**مکتوبات عین القضاۃ**" میں ذوق محبت اور کیف قلب کی پر تاثیر ترجمانی کی۔ یہ تمام مکتوبات شیخ عین القضاۃ ہمدانی کے نام ہیں اہل تصوف کے درمیان مریدوں کی اصلاح و تربیت کیلئے مکتوب نویسی کا کامیاب طریقہ جو

زمانہ مابعد میں رائج ہوا اسکی ابتدائی بلکہ پہلی کڑی یہی "مکتوبات عین القضاۃ" کا مجموعہ ہے۔ حضرت احمد غزالی کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عین القضاۃ ہمدانی نے اپنی تصنیف "زبدۃ الحقائق" میں قلبی سوز و گداز اور تپش عشق کی حکایت بیان کی۔ پھر تو اہل عشق نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ داستان عشق دراز سے دراز تر ہوتی گئی۔ شیخ فخر الدین احمد عراقی نے رسالہ 'العشاق' کے طرز پر لمعات' تصنیف کی اور اسی طرز کو سلطان حسین ابو الغازی والئ ہرات نے "مجالس العشاق" میں اپنایا۔ بالآخر تصوف کی اہم نسبت "نسبت عشق" نے اہل دل کے لئے اپنی آغوش وا کردی۔ عشق الہی کی ابتدائی شکل حب الہی تو اول روز ہی سے تصوف کا محور رہی ہے لیکن اس کی انتہائی شکل "عشق الٰھی" نے اسی دور میں اپنی پر شباب صورت دکھائی اور اس کی جلوہ سامانیاں دراز ہوئی یہاں تک کہ زمانۂ مابعد میں امام العشاق حضرت مولانا مظفر بلخی قدس سرہٗ کو اس نسبت کا حصہ وافر ملا۔ جیسا کہ "مناقب الاصفیا" میں ہے کہ "شیخ الاسلام شیخ حسین معز بلخی نے فرمایا کہ...... آتش عشق کا شعلہ شیخ مظفر کو پہنچا۔" مختصر یہ کہ مذکورہ بالا حضرات وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنہوں نے اہل تصوف کے تصور عشق کو تحریری تقویت پہنچائی اور اہل خرد کا زور ٹوٹ گیا۔ رہی سہی کسر تاتاریوں نے پوری کردی۔

چھٹی صدی ہجری میں ہلاکو خاں کی سرکردگی میں تاتاری بلاد اسلامیہ پر چڑھ آئے۔ فلسفہ و حکمت کی کتابوں سے بھری ہوئی بغداد کی عظیم الشان لائبریری جلادی گئی۔ حضرت نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ کی خانقاہ تک محفوظ نہ رہ سکی۔ اور انہیں تاتاریوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ وہ نجم الدین کبریٰ جنھوں نے "رسالہ" اور "تبصرہ" جیسی اہم تصنیفات طالبان حق کو عنایت کی تھیں۔ نیز "حکایت سوز دروں" کو شعری جامہ پہنایا تھا اور تصوف میں مسلک شطار کے اصول وضع کئے تھے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ سلاطین و امراء کی خرد نوازی، عیش پسندی اور کوتاہ اندیشی نے قہر خداوندی کو بھڑکایا اور خونخوار تاتاری مسلط کردئے گئے۔ چمن کو

آگ لگی تو کانٹوں کے ساتھ گلہائے عطر بیز بھی جھلس گئے۔ لیکن مجالس اہل تصوف کی شمعیں بجھ نہ سکیں۔ بلکہ ان کی لو کچھ اور تیز ہو گئی۔

غوثیت مآب حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اسی دور کے بلند مرتبہ بزرگ ہیں۔ آپ کے ولولہ انگیز اور پر تاثیر وعظ سے کتنے ہی دلوں کی دنیا بدل گئی۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں، یہود و نصاریٰ کی کثیر تعداد بھی آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ "غنیتہ الطالبین" اور "الفیوضات الربانیہ" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے مواعظ حسنہ کے دو گرانقدر مجموعے "فتوح الغیب" اور "فتح ربانی" اصلاح و تربیت کے نقطہ نظر سے آج بھی نہایت کار آمد ہیں۔

اسی دور میں ایک اور عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی قدس سرہٗ کی گزری ہے۔ آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ امام سلسلہ سہروردیہ کے عم بزرگوار اور پیرو مرشد ہیں۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ امام سلسلہ کبرویہ کو بھی آپ ہی سے ارادت حاصل تھی۔ آپ کی تصنیف کردہ "اداب المردین" راہ تصوف پر چلنے والوں کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رسالے کی مفصل شرح آپکی پیش گوئی کے مطابق آپکے فرزند معنوی حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے آپکی وفات کے تقریباً دو سو سال کے بعد کی اور رہروان راہ سلوک پر عظیم احسان فرمایا۔ آپکے مرید و جانشیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے اسی دور میں تصوف کی مشہور کتاب "عوارف المعارف" تصنیف کی۔ یہ کتاب ایک زمانے تک اہل تصوف کے درمیان سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی رہی۔ اس کتاب کو دیکھکر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ

"هر صوفی که ایں کتاب مخدوم زاده نداند صوفی نه باشد."

(مناقب الاصفیاء صفحہ نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: یعنی جو صوفی مخدوم زادہ کی (تصنیف کردہ) اس کتاب کو نہیں جانتا صوفی نہیں۔

اس دور سے پہلے تصوف کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر صوفیائے کرام کے افکار و نظریات ان کے اخلاق و عادات اور رموز و اسرار طریقت کے بیان پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ یہ کام اس دور میں بھی ہوا اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور کام بھی ہوا۔ حضرت محمد بن المنصور بن ابی سعید نے کسی ایک شیخ طریقت کے حالات و سوانح پر مشتمل پہلی مرتبہ ایک کتاب "اسرار التوحید فی مقلمات ابی سعید" قلمبند کیا اور تذکرہ مشائخ تحریر کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ چنانچہ (غالباً) اسی کی پیروی کرتے ہوئے بعد میں حضرت عطار نے "تذکرۃ الاولیاء" اور حضرت جامی نے "نفحات الانس" مرتب کی۔ پھر تو ایک سلسلہ چل پڑا۔ ہر دور میں مشائخ کے تذکرے لکھے گئے اور لوگوں کو ان نفوس قدسیہ کے حالات سے آگاہ کیا گیا۔ موجودہ دور میں زیر نظر کتاب "تذکرہ مشائخ بہار" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس دور کی ایک اہم شخصیت حضرت شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن العربی اندلسی کی بھی ہے۔ آپ ہی نے اہل تصوف کے درمیان پہلی مرتبہ "نظریہ وحدت الوجود" کو متعارف کرایا۔ یعنی وجود تو بس اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ اس کے غیر کا اصلاً کوئی وجود ہی نہیں۔ جو کچھ دیکھا سنا جاتا ہے وہ اسکے وجود کی پرچھائیں اور اسی کا فیض ہے۔ حضرت شیخ نے اپنی مشہور زمانہ چار جلدوں پر مشتمل ضخیم تصنیف "فتوحات مکیہ" میں اس نظریہ کو بڑے ہی عارفانہ انداز میں حکیمانہ استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور تصوف کی اہم نسبت "نسبت توحید" کو بارگاہ الٰہیہ سے اخذ کرنے کی راہ ہموار کی ہے۔ مشائخین کرام نے "فتوحات مکیہ" کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھا ہے اور اپنے وابستگان کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے۔ آپ کی دوسری مشہور کتاب "فصوص الحکم" ہے۔ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات سے مسائل تصوف کا استنباط کیا

گیا ہے۔ان دو کتابوں کے علاوہ آپ کی دو تصانیف "مواقع النجوم" اور "نقش النصوص" اور بھی ہیں جن میں رموز طریقت اور نکات تصوف کی فلسفیانہ اور پر مغز تشریح ہے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن العربی کے نامور خلیفہ اور ان کے پیش کردہ نظریۂ وحدت الوجود کے اوّلین اور بہترین شارح شیخ طریقت مولانا صدر الدین قونوی ہیں اور اسی دور کے بزرگ ہیں۔ تصوف کے موضوع پر آپ کی نادر روزگار اور قابل ذکر کتابیں "فکوك" "فصوص" "مفتاح الغیب" "نغمات الٰھیۃ" "تفسیر سورۂ فاتحه" اور "شرح حدیث" ہیں۔ آپ کی یہ تمام کتابیں "نظریۂ وحدت الوجود" کی تشریح اور توجیہہ کے لئے مخصوص ہیں۔ان کی تشریحات سے "نظریۂ وحدت الوجود" مقبول ہوا اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ شیخ صدر الدین قونوی نے اس نظریہ کو رائج اور شائع کرنے میں خصوصی رول ادا کیا ہے۔اور اسے محض ایک علمی نظریہ کی سطح سے اٹھا کر حقیقت ثابتہ کی حیثیت دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اور اس میں کامیاب رہے ہیں۔چنانچہ زمانۂ مابعد میں صوفیاء کرام تا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی عموماً اسی نظریہ کے حامل رہے۔

"مثنوی معنوی" جسے اس کے زمانۂ تصنیف سے لیکر آج تک مسلسل اہل تصوف کے درمیان مقبولیت حاصل رہی، اسی دور میں معرض تحریر میں آئی۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ اپنی اسی مثنوی کے باعث اکابر صوفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں اس مثنوی کے علاوہ مولانا رومی کی نثری یادگار ان کی تقاریر کا مجموعہ "فیه مافیه" بھی ہے۔ حضرت کی تقریروں کا ایک اور مجموعہ "مجالس سبعه مولانا" کے نام سے بھی موجود ہے۔یہ دونوں مجموعے رموز طریقت کی تشریح کے لئے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔حضرت مولانا رومی نے اپنے معاصرین کو مکتوبات بھی لکھے تھے۔یہ تمام مکتوبات (جن کی تعداد ۱۳۵ ہے) ایک مجموعے کی شکل میں موجود ہیں۔ تصوف کی موضوع

پر حضرت احمد غزالی کے "مکتوبات عین القضاۃ" کی حیثیت نقش اوّل کی ہے اور "مکتوبات مولانا جلال الدین رومی" کی حیثیت نقش ثانی کی۔

اس دور کے مشائخ میں ایک بزرگ حضرت نجم الدین دایہ بھی ہیں۔ آپ کی اہم تصنیف "مرصاد العباد" ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تصنیف جیسا کہ اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے ارشاد کی تعمیل میں کی ہے۔ اس کتاب میں تصوف کے موضوع کے علاوہ فتنۂ مغول کی تباہیوں اور بربادیوں کا تفصیلی بیان بھی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب بہت ہی گرانقدر ہے کہ بے بسی، بیچارگی اور افراتفری کے عالم میں تصوف نے کس کس طرح لوگوں کے زخمی دلوں پر پھاہے رکھے اور کیسے ذہنی و قلبی سکون کا سامان بہم پہنچایا اس کی تفصیل اس کتاب میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

حضرت شیخ روزبھان بقلی اور شیخ عزیز بن نسفی بھی اس دور کے قابل ذکر صوفیائے کرام میں ہیں۔ اول الذکر کی "کتاب الانوار فی کشف الاسرار" اور ثانی الذکر کی "زبدۃ الحقائق" اور "مقصد الاقصیٰ" تصوف کے موضوع پر اچھی کتابیں ہیں۔

اس دور میں حالات کی نامساعدت کے باوجود تالیف و تصنیف کے ذریعہ تصوف کی ترویج جس قدر ہوئی اس کا مختصر تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا۔ لیکن وہ صوفیائے کرام جنھوں نے تصنیف و تالیف کے بجائے ذکر و فکر، تلقین و توجہ، تصرفات روحانی اور قلبی تسخیرات سے کام لیا انکی تعداد بے شمار ہے اس دور میں بھی اور دوسرے ادوار میں بھی۔ نمایاں شخصیتوں کے اسمائے گرامی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں اور جو حضرات استتار پسند تھے انہیں تاریخ نے بھی پوشیدہ ہی رکھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دنیائے تصوف کی ہماہمی میں ان حضرات کا حصہ کچھ کم نہیں بلکہ کسی قدر زیادہ ہی ہے۔ دور دراز علاقوں میں پہنچ کر اپنے اطوار و اخلاق سے عوام الناس کے درمیان نفوذ کرنا اور انھیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنا بڑا کام ہے جسے انھوں نے انجام دیا۔ اس کا

ذکر تاریخ کے ان صفحات میں درج ہے جو چشم ظاہر کو نظر نہیں آتے' اِسے پڑھنے کیلئے باطنی آنکھیں درکار ہیں۔ کہیں کہیں ان کے اثرات کی ہمہ گیری کاسۂ استتار سے چھلک بھی پڑی ہے جس کے نتائج چشم ظاہر نے بھی دیکھے۔ چنانچہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفحات سے جو باتیں ظاہر ہوئیں ان میں سے ایک کو تاریخ نے بھی اپنے صفحات میں جگہ دینا اپنی سعادت سمجھا۔ وہی شیخ سیف الدین باخرزی جن کے پیرومرشد حضرت نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے' تاتاریوں کے ماویٰ وملجا بن گئے۔ مغل بادشاہ خدابندہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور وہ آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ "**پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔**" (بحوالہ راحت القلوب ملفوظ شیخ نصیر الدین محمود) **ایسے سینکڑوں معلوم** ونامعلوم واقعات ہیں جو ان حضرات کے قلوب متوجہ الی اللہ کی تسخیرات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ نے راہ حق میں کہاں کہاں کی خاک چھانی بالآخر ہندوستان پہنچے اور اجمیر کو مستقر بناکر کفروشرک کے اندھیروں کو دور کیا اور ایمان وتوحید کی روشنی پھیلائی۔ آپکے خلفاء نے بھی آپکے مشن کو جاری رکھا۔ ان کے علاوہ پنجاب میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی' صوبہ بہار میں حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت اور مخدوم یحییٰ منیری نیز دیگر اکابرین تصوف نے لوگوں کو راہ ہدایت دکھائی اور اس پر چلایا۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے سہروردی فیضان عام کیا اور "**طوالع الشموس**" تصنیف کی جو اسمائے الٰہیہ کی صوفیانہ تشریح پر مشتمل ہے۔ الغرض اس دور میں صوفیائے کرام نے سرزمین ہند کو بھی اپنی سرگرمیوں سے نوازا۔ یہاں تصنیف وتالیف کا کام اس زمانے میں اتنا تو نہ ہوا جتنا ایران' عراق اور دوسرے علاقوں میں ہوا۔ لیکن ''نظر مردان حق کی کام کرتی ہی رہی اپنا۔''

المختصر تصوف کا چھٹا دور ہمہ جہتی افراتفری کا دور تھا۔ اس دور میں عقلیت پسندی کی وبا ہر چہار طرف پھیلی' تاتاری فتنہ نے ہلاکت اور تباہی

کا بازار گرم کیا، مولویت نے تصوف کو خواہ مخواہ ہدف تنقید بنایا لیکن اہل تصوف ان حالات میں بھی جو بلاشبہ شدید ترین نامساعد حالات تھے، اپنے موقف پر نہ صرف مضبوطی سے جمے رہے بلکہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ حکمت کو راہ دیتے ہوئے اصلاح حال کی سعی کرتے رہے۔ تصنیف و تالیف کے ذریعہ 'وعظ و تذکیر کے ذریعہ' ان تمام وسائل کے ذریعہ جو میسر آسکے۔ یہی نہیں بلکہ نکات تصوف کی تشریح مختلف جہت سے کی۔ اور عوام الناس نے "گوشہ تصوف" کو محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھا۔ تصوف کا مشہور زمانہ "نظریہ وحدت الوجود" بھی اسی دور میں متعارف ہوا۔ جس نے حقیقت یہ ہے کہ نفئ شرک اور اثبات توحید کیلئے مستحکم بنیاد فراہم کی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد کے ادوار میں کج فہمی کے باعث اس نظریہ کی غلط تشریحات کی گئی جس سے الحاد و زندقہ کا دروازہ کھلا۔ الغرض یہ دور اس موسم کی مانند تھا جس میں آندھیاں بھی چلتی ہیں، موسلادھار بارش بھی ہوتی ہے اور مفید صحت جڑی بوٹیوں کے ساتھ زہریلے پودے بھی اگ آتے ہیں۔ "نیرنگئ قدرت کا تماشا ہر سو" اس دور میں خوب دیکھا دکھایا گیا۔

تصوف کا ساتواں دور

مدت: ۷۰۱ھ تا ۹۰۰ھ

اہم شخصیتیں:

شیخ عزالدین محمود بن علی کاشانی (م ۷۳۵ھ) مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) حضرت خواجہ سید احمد بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) حضرت امیر خورد (م ــــ) حضرت شیخ ضیاء الدین بخشی (م ــــ) مولانا حامد جمالی (م ــــ) حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) اور بھی بہت سارے صوفیائے باصفاء۔

اس دور میں ایران پر صفیوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ صفوی حکمران متعصب غالی شیعہ تھے اور ان کے دارو گیر نے اہل سنت و جماعت پر دنیاء تنگ

کر دی تھی۔ صوفیائے کرام بھی لپیٹ میں آئے۔ جب جنیا دو بھر ہو گیا توان حضرات نے ہجرت اختیار کی۔ جس کو جس طرف موقع ملا' چلا گیا۔ لوگ گروہ در گروہ ہندوستان بھی پہنچے۔ اس افراتفری کے عالم میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری تو رہا لیکن خاموشی کے ساتھ' وہ ہماہمی نہ رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ تصنیفی کام تو تقریباً ٹھپ ہی پڑ گیا۔ تاریخ چند ایک ہی اہل قلم صوفیاء کی نشاندہی کرتی ہے۔ ان میں دو شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک سہروردی بزرگ حضرت شیخ عزالدین محمود بن علی کاشانی جنھوں نے "مصباح الهدايت" تصنیف کی جو تصوف کے موضوع پر آٹھویں صدی ہجری کی بہترین کتاب ہے۔
اس میں تصوف کے کم و بیش تمام مباحث پر گفتگو کی گئی ہے اور نص قرانی اور احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ دوسری شخصیت حضرت عبدالرحمن جامی کی ہے۔ آپ نے تمام ناموافق حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے 'نقد النصوص' "نفحات الانس" اور "اشعته اللمعات" تصنیف کی۔ مشائخین کرام کے تذکرے میں "نفحات الانس" کو اہم مقام حاصل ہے۔ حضرت جامی نے فخر الدین عراقی کی "لمعات" کی شرح "اشعته اللمعات" کے نام سے کی ہے جو اہل تصوف کے درمیان بہت مقبول رہی۔

اس دور میں اہل تصوف بر صغیر ہند میں بہت سرگرم عمل رہے۔ سلاسل فردوسیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کے بزرگوں نے رشد وہدایت کا
زبردست کام کیا' خانقاہیں قائم ہوئیں اور تصوف کے موضوع پر نادر روزگار کتب و رسائل تصنیف ہوئے۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ اور دوسرے فردوسی بزرگوں کی تصنیفات 'ملفوظات اور مکتوبات سے کتب تصوف میں زبردست اضافہ ہوا۔ انکا تذکرہ آئندہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے بھی اس سلسلہ میں قابل قدر کام سرانجام دیا ہے خصوصاً حضرت سید احمد بندہ نواز گیسودراز رحمتہ اللہ علیہ نے کئی کتابیں اور رسائل یادگار چھوڑا۔ تصوف کے موضوع پر اردو زبان کی پہلی تصنیف "معراج العاشقين" آپ

ہی کے قلم کی مرہون منت ہے۔ آپ نے "معارف" کے نام سے "عوارف المعارف" کا فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی قدس سرہٗ کی "آداب المریدین" کی مختصر شرح بھی لکھی ہے۔ حضرت بندہ نواز گیسودراز کی تصانیف میں "مشارق الانوار" کا فارسی ترجمہ 'قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں عوارف المعارف، فصوص الحکم، رسالہ قشیریہ اور "قوت القلوب" پر مفید حواشی نیز "خطائر قدس" یا "زدہ مسائل" اور "مکتوبات" تو شامل ہیں ہی۔ اس کے علاوہ آپ کا ملفوظ "جوامع الکلم" بھی ہے جس کے جامع آپ کے صاحبزادے میر اکبر حسینی ہیں۔

اسی دور میں حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے مرید حضرت امیر خورد نے صوفیائے کرام کا ایک تذکرہ "سیر الاولیاء" مرتب کیا۔ اور انکے دوسرے مرید حضرت شیخ ضیاء الدین بخشی نے مشائخ کبار کے حالات پر مشتمل "سلک السلوک" تصنیف فرمایا۔ اور مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے "سیر العارفین" کے نام سے تیرہ مشائخ کا تذکرہ سپرد قلم کیا۔ ان تیرہ مشائخ میں چھ سلسلہ چشتیہ کے اور سات سلسلہ سہروردیہ کے ہیں۔ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ بھی اس دور کے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ آپ نے رشد وہدایت کا جو سلسلہ جاری کیا اس سے نہ صرف ان کے زمانے میں لوگ کثیر تعداد میں فیضیاب ہوئے بلکہ بعد کے ہر دور میں ہوتے رہے اور آج تک ہو رہے ہیں۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ بھی تھے۔ "بشارات المریدین" خلفائے راشدین پر ایک رسالہ "مکتوبات اور ایک ملفوظ" "لطائف اشرفی" آپ کی یادگار ہیں۔

الغرض تصوف کا ساتواں دور برصغیر ہند میں نہایت اہم گزرا۔ اس دور میں یہاں مختلف سلاسل کی ترویج ہوئی اور اشاعت دین کا کام وسیع پیمانہ پر ہوا۔ تصوف کے موضوع پر اہم کتابیں اور رسائل بھی تصنیف ہوئے۔

تصوف کا آٹھواں دور

مدت : ۹۰۱ھ تا ۱۱۰۰ھ

اہم شخصیتیں

حضرت قاضن علا شطاری (م ھ)، حضرت ابوالفتح پیر سرمست (م ۹۴۶ھ)، شیخ محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ)، غوثی منڈوی (م ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، شیخ احمد سرہندی (م ھ) حضرت مخدوم شاہ دولت منیری (م ۱۰۱۷ھ) حضرت امیر ابو العلیٰ (م ھ) نیز دیگر اکابرین تصوف۔

اس دور میں لادینی تحریکوں نے زور پکڑا۔ ان میں اکبر کے "دین الٰہی" کی تحریک سرفہرست تھی۔ تصوف کے نظریۂ وحدت الوجود کی بنیاد پر چند کج فہموں نے الحاد و زندقہ کی تبلیغ شروع کر دی۔ صوفیائے کرام بہر حال اپنے معمول پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور رشد و ہدایت کے ساتھ ہی لادینیت کا سدباب کرتے رہے۔ گزشتہ دور میں سلسلہ مداریہ اور شطاریہ کی تنظیم ہو چکی تھی۔ اس دور میں ان دونوں سلاسل نے رشد و ہدایت کا کام بڑے پیمانہ پر انجام دیا۔ اس دور میں بھی دو مزید سلاسل کی تنظیم ہوئی۔ سلسلہ نقشبندیہ کی شاخ نقشبندیہ مجددیہ اور ابوالعلائیہ نے زندقہ اور الحاد کی بیخ کنی کرنے اور تصوف کے افکار و نظریات کو صحیح طور پر پیش کرنے کی زبردست کوشش کی۔

اس دور میں تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی خاصی پیش رفت ہوئی۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل ایک مستند تذکرہ "اخبار الاخیار" تصنیف کیا۔ "زاد المتقین" کے نام سے موصوف نے ایک اور تذکرہ مرتب کیا جو ان کے پیران طریقت اور اساتذۂ کرام کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عام استفادہ کے خیال سے حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی فتوح الغیب کی شرح بھی لکھی۔ اور "غنیتہ الطالبین" کا فارسی ترجمہ بھی کیا۔ سلسلہ شطاریہ کے مشہور بزرگ حضرت قاضن علا شطاری نے "معدن الاسرار" اور حضرت غوث گوالیاری نے "جواھر خمسہ" اور "رسالہ معراجیہ" تصنیف کی۔ آپ کی

دوسری کتابیں بھی ہیں لیکن مذکورہ کتابیں زیادہ مشہور ہوئیں۔اور آج بھی ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ حضرت غوثی منڈوی نے "گلزار ابرار" مرتب کرکے صوفیائے کرام کے تذکروں میں ایک اور تذکرے کا اضافہ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اس دور کی عظیم شخصیت ہیں۔ آپ نے کج فکری اور بے دینی کے خلاف زبردست کام کیا۔ "نظریۂ وحدت الوجود" کی غلط تشریحات کے باعث جو الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا اس کے سد باب کے لئے انھوں نے "وحدت الشھود" کا نظریہ پیش فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو واجب الوجود ہے ہی لیکن اس نے مخلوقات کو بھی وجود بخشا ہے۔ مخلوقات کا وجود' اللہ کے بخشنے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود کسی کے بخشنے سے نہیں' بذات خود ہے۔ لہٰذا وہ واجب الوجود ہے اور اس کی مخلوقات ممکن الوجود۔ واجب نہ کبھی ممکن ہوا نہ ہو گا۔ ہاں کیف و محویت میں ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو شش جہت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ جس طرح آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد ستارے اس طرح چھپ جاتے ہیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو۔ لیکن ان کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ناپید ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات اور انکار سالہ "تھلیلیہ (جو کلمہ طیبہ کی مکمل تفسیر ہے)" نیز رسالہ "معارف لدنیہ" (جو معرفت الٰہی اور صوفیانہ احوال و مقامات کے بیان پر مشتمل ہے) تصوف کے موضوع پر اس دور کی اہم تصانیف ہیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اسی دور میں "زبدۃ المقامات" کے نام سے حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے خلفاء خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ علیہم کے حالات پر مشتمل ایک تذکرہ مرتب کیا۔ یہ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ ہے۔ دوسرا تذکرہ "حضرات قدس" ہے جسے حضرت شیخ بدر الدین سرہندی نے اسی دور میں ترتیب دیا۔ چشتی مشائخ کے حالات پر بھی اس دور میں ایک تذکرہ "سیر الاقطاب" مرتب ہوا۔ اس کے مصنف شیخ الہدیہ چشتی ہیں۔

اس دور کی ایک اہم شخصیت شہزادہ داراشکوہ کی بھی ہے۔ "سفینتہ الاولیا" اور "سکینتہ الاولیاء" شہزادہ کے مرتب کردہ صوفیائے کرام کے تذکرے ہیں۔ شہزادہ موصوف نے مسئلہ "وحدت الوجود" پر ایک رسالہ "حق نما" بھی تصنیف کیا ہے۔ اکابرین صوفیاء کے کلمات شطح پر مشتمل ایک تالیف "حسنات العارفین" بھی شہزادہ سے منسوب ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب منفرد ہے۔ تصوف کی دنیا میں اس سے پہلے کلمات شطحیات کو جمع کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ واضح رہے کہ ان کلمات کو جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور عالم سکر میں اہل تصوف کی زبان سے نکل جاتے ہیں اصطلاحاً "شطحیات" کہا جاتا ہے۔ "سرّ اکبر" کے نام سے بھی ایک کتاب کہا جاتا ہے کہ شہزادہ نے لکھی۔ یہ کتاب پچاس سنسکرت اپنیشدوں کا فارسی ترجمہ ہے اور الحاد و زندیقیت کا خاصا نمونہ ہے۔ شہزادہ کی روحانی تربیت میں شاہ محبّ اللہ الہ آبادی کا بڑا ہاتھ ہے۔ شاہ صاحب مسلک "وحدت الوجود" کے حامل تھے۔ آپ نے مشہور زمانہ کتب تصوف کی شرحیں لکھی اور چند رسائل "سرّ الخواص" "عبادات الخواص" "طرق الخواص" "عبادات اشخص الخواص" اور رسالہ "وجود مطلق" بھی تصنیف کیے۔ ایک رسالہ "تسوّیہ" بھی آپ سے منسوب تھا۔ اس کا موضوع وحی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسالہ آزادروی اور آزادخیالی کا مظہر تھا۔ واللہ اعلم۔ عہد عالمگیری میں اس کی تمام نقلیں جو دستیاب ہو سکیں جلادی گئیں۔

تصوف کے آٹھویں دور کا مختصر تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا۔ اس دور کی نمایاں خصوصیت نظریۂ "وحدت الوجود" کی غلط تشریحات کی بنیاد پر آزادروی ہے جس کے سدباب کی کوشش نظریہ "وحدت الشہود" سے کی گئی اس سے وجودی حضرات کے خیالات اعتدال پذیر ہوئے اور آزادروی کا مکمل تدارک ہوگیا۔ لادینی تحریکات نے خانقاہوں کے چراغ گل کرنے کی کوشش کی لیکن جو چراغ آندھیوں کی زد پر جلتا رہا ہو وہ پھونکوں سے کب بجھتا۔

تصوف کا نواں دور

مدت...... بارہویں تا تیرہویں صدی ہجری

نمایاں شخصیتیں......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) حضرت سلطان باہو (م ــــ)
نیز سلاسل مختلفہ کے بزرگ۔

اس دور میں مغلیہ حکومت کے زوال پذیر کی ابتداء ہوئی۔ اور ایک عظیم سلطنت کے کھنڈر پر طوائف الملوکوں نے اپنے اپنے عشرت کدے تعمیر کر لئے۔ سیاسی انتشار کے اس دور میں دینی مرکزیت بھی متاثر ہوئی۔ اگرچہ خانقاہوں کے چراغ گل تو نہ ہوئے لیکن ان کی زندگی بخش روشنی سمٹ کر رہ گئی۔ اس دور کے مشائخین عظام کے ملفوظات اور مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ مشائخین کے پرسکون ماحول میں بھی کچھ نہ کچھ انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ انحطاط کے اس دور میں اللہ تعالیٰ کا فضل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں رونما ہوا۔ آپ نے اپنے قلم سے بگڑے ہوئے معاشرے کو سنوارنے اور علوم اسلامیہ کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کی لو کو تیز سے تیز تر کرنے کی زبردست کوشش کی۔ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور حقائق شریعت پر "ازالتہ الخفا" اور "حجتہ اللہ البالغہ" جیسی مبسوط اور جامع کتابوں کے علاوہ موضوع تصوف پر "انفاس العارفین" "لمعات" "همعات" "سطعات" اور "الطاف قدس" جیسی قابل قدر اور نادر روزگار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور تصوف کے پرنور چہرہ پر پڑے ہوئے گردو غبار کو صاف کیا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے علاوہ اس دور میں اور بھی کئی صاحبان تصنیف و تالیف ہوئے ہیں۔ پنجاب میں حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے بہت ساری کتابیں تصوف کے موضوع پر تصنیف کیں۔ غلام سرور لاہوری نے صوفیائے کرام کا تذکرہ "حدیقتہ الاولیا" سپرد قلم کیا۔ سلسلہ فردوسیہ کے بزرگوں کے درمیان شروع ہی سے تصنیف و تالیف کا شغف رہا

ہے۔اس دور میں بھی رہا اور خوب رہا۔ تفصیل آئندہ اپنی جگہ پر آئے گی۔
اس دور کی اہم خصوصیت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارنامے ہیں۔ آپ کی جامع شریعت و طریقت شخصیت نے جو مشعل ہدایت و عرفان روشن کی اس کی ضیا باریاں نہ صرف اس دور میں بلکہ اگلے دور میں بھی طالبان حق کے دلوں کو روشن کرتی رہی ہیں اور اللہ نے چاہا تو آئندہ بھی کرتی رہیں گی۔

تصوف کا دسواں دور

مدت

چودھویں صدی ہجری اور پندرھویں صدی ہجری کے تیسر سال۔
اس دور میں تصوف، اس کے افکار و اشغال اور معمولات پر خوب خوب کرم فرمائی کی گئی۔ اور اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے اور گندہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ کسب دنیا کے لیے تصوف کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہوا۔ بزرگوں نے تعویذ نویسی تو خدمت خلق کے لیے اور رشد و ہدایت کی غرض سے عوام الناس کے اندر نفوذ کرنے کی خاطر اختیار کیا تھا لیکن اس دور میں اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا۔ خانقاہیں، بہ استثنائے چند تعویذ فروشی کی دوکانیں بن گئیں اور آئے دن ان دوکانوں کا اجراء ہونے لگا۔ گلی کوچوں تک میں اس طرح کے بورڈ آویزاں نظر آنے لگے۔
''یہاں جھاڑ پھونک ہوتا ہے آسیب اور بھوت بھگائے جاتے ہیں۔ بیماری کا علاج بذریعہ تعویذ ہوتا ہے۔ معشوق کو عاشق کے قدموں پر چند دنوں کے اندر لاگرایا جاتا ہے۔ وغیرہ۔''
اہل حق ان حالات کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے اور زیادہ سے زیادہ کنارہ کش

رہنے کی کوشش کرتے۔ شیطان کے بنائے ہوئے ان صوفی نماد جالوں کا جال توڑنے کے لیے مولویوں کا ایک گروہ صوفیت کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں اتر آیا۔ اور ''یہ بدعت اور وہ شرک'' کے نعروں سے فضا مرتعش ہوگئی۔ اگر یہ حضرات اصلاح احوال ہی تک اپنی کوششوں کو محدود رکھتے تو ایک بات تھی۔ لیکن انہوں نے اصلاح کے نام پر اپنے ''بدعت وشرک'' کی تلوار صوفیائے حقہ اور ان کے معمولات پر بھی بلند کی۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ہم نوا اس گروہ کے سرخیل تھے۔ ان کے مقابلے میں حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی اٹھ کھڑے ہوئے اور علمی سطح پر مخالفانہ خیالات کی بھر پور تردید کردی۔ جس سے اہل تصوف کو تقویت ملی اور انہوں نے دل جمعی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کے متبعین ''اقامت دین'' کا جھنڈا لے کر آگے بڑھے۔ اور تصوف کے تن بیمار پر کھروچیں ڈالنے لگے۔ انہوں نے تنقید کے نام پر تصوف کی خوب خوب تنقیص کی اور غلط وصحیح کو اس ہوشیاری سے گڈمڈ کیا کہ صحیح بھی غلط ہی نظر آئے۔ صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اور اہل حق گوشہ نشین کیونکہ میدان میں آنے کا مطلب تھا مشرک وبدعتی قرار دیا جانا۔ تاہم چند حضرات نے خانقاہی علم بلند کرنے کی کوشش کی اور ''تصوف اسلام'' ''مشائخ چشت'' ''بزم صوفیہ'' ''خم خانہ تصوف'' جیسی کتابیں معرض تحریر میں آگئیں۔ صوفیائے کرام کے ترجمان کے طور پر چند رسائل کا اجراء بھی ہوا۔ ''ضیائے حرم'' ''المنعم'' ''مخدوم'' ''دیوان'' ''کنزالایمان'' اور چند ایک اور رسائل بڑے آب وتاب سے نکلے۔ ان میں کچھ تو گروہی تفرقے میں پڑ گئے، کچھ نے تھوڑی ہی مدت

میں دم توڑ دیا' کچھ لڑکھڑاتے ہوئے چل رہے ہیں۔ لیکن افکار کی ژولیدگی' اعمال کی کوتاہی اور قول و فعل کے تضاد نے مثبت اثرات کو بروئے کار آنے نہ دیا۔ صحت مند اور مقصدی تنقید کا حوصلہ جاتا رہا۔ ایک دوسرے کو خوش کرنے کی منہہ دیکھی چاپلوسانہ باتیں ہونے لگیں۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور حضرت مخدوم سید شاہ محمد ایوب بدالی قدس سرہٗ نے خلوت پر جلوت کو ترجیح دی۔ اور اپنی انفرادی کوششوں سے دور دور تک پہنچ کر پیغام حق پہنچایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور رکھا۔ "**احسان و تصوف**" "**ذکروفکر**" "**ترجمہ عقائد شرفی**" اور "**السلاسل والاسانید**" انتہائی مشغولیت کے باوجود وقت نکال کر سپرد قلم فرمایا اور فردوسی بزرگوں کی تصنیفی سنت کو زندہ رکھا۔ آپ کا روحانی فیضان آپ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ راقم السطور نے "**جادۂ عرفاں**" اور تصوف کے موضوع پر دوسری کتابیں تصنیف کرنے اور ترتیب دینے کی کوشش کی اور جہاں تک بن پڑا لوگوں کو بزرگوں کے طریقے سے روشناس کرایا۔ حضرت کے ایک دست گرفتہ سید ذکی **احمد ہاشمی** نے ایک رسالہ "**پیری مریدی**" اور ایک مبسوط کتاب "**خضر راہ**" لکھی جس میں تصوف کو سائنسی انداز میں پیش کیا اور لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ تصوف نا قابل فہم اور الجھے ہوئے افکار و خیالات کا بے ربط مجموعہ نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نظام حیات کی کتاب کا ایک اہم باب ہے جس کے ماہرین ادوار گزشتہ میں بھی ہوئے اور اس دور میں بھی ہیں گو کہ خال خال۔ اللہ کرے نور کی یہ کرنیں پھیلتی چلی جائیں اور تاریکیاں کافور ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس!

اہل تصوف کے مذاہب: مذہب نقطۂ نظر یا ایسے نظریہ کو کہتے ہیں جو تجربات و مشاہدات اور فکر و نظر سے یقینی حد تک مدلل ہو جائے۔ اس لحاظ سے اہل تصوف کے دس مذاہب ہیں اور سب کے سب باہم دیگر مختلف ہونے کے باوجود درست ہیں۔ اہل تصوف کے ان مذاہب کو دیکھ کر اہل ضلالت نے بھی دو مذاہب تصنیف کئے لیکن اہل حق نے بروقت ان کی تردید کی اور انہیں مردود قرار دے دیا۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے **کشف**

المحجوب' میں ان مذاہب کی تفصیل پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اهل طریقت کے باره مذهب هیں جن میں دو مردود اوردس مقبول هیں۔ان دسوں کے معاملات اور طریقت کے اصول درست و عمده هیں۔مشاهدات میں ان کے آداب لطیف و دقیق هیں۔اگرچه باهم معاملات و مجاهدات اوران کی ریاضتوں میں اختلاف هے۔ تاهم توحید اورشریعت کے اصول و فروع میں سب متفق هیں......اب میں هر مذهب کی اساس اوربنیاد کا تذکره کرتا هوں۔

(۱) فرقه محاسبیه: فرقه محاسبیه کی نسبت حضرت ابوعبدالله حارث بن اسد محاسبی رحمته الله علیه سے هے......آپ کے مذهب کی خصوصیت یه هے که آپ رضائے الٰهی کو مقامات کے قبیل سے نهیں مانتے تهے بلکه از قسم احوال طریقت سمجهتے تهے۔ طریقت میں یه پهلا اختلاف هے............۔

(۲) فرقۂ قصاریه : قصاریه فرقه کے پیشوا حضرت ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عماره قصار رحمته الله علیه هیں۔ان کا مسلك و مشرب ملامت کی نشرواشاعت هے۔(یعنی دکهاوے کے طور پرایسے کام کرنا که لوگ بے زار هوجائیں اور ملامت کریں تاکه یاد الهی کے لئے زیاده سے زیاده وقت ملے اور نفس کی تادیب هو۔)

(۳) فرقۂ طیفوریه: طیفوری فرقه کے پیشوا حضرت ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان

بسطامی رحمته اللہ علیہ ھیں......یہ صاحب غلبہ اور صاحب سکر تھے۔(سکر یعنی نشہ محبت الٰھیہ میں جو سرشار ھو وہ صاحب سکر ھے۔)

(۴) فرقہ جنیدیہ: فرقہ جنیدیہ کے پیشوا حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی رحمته اللہ علیہ ھیں۔ان کا طریقہ طیفوری مذھب کے برعکس صحو پر مبنی ھے۔(یعنی ھوش پر)

(۵)فرقہ نوریہ: فرقہ نوریہ کے پیشوا ابوالحسن احمد بن نوری رحمته اللہ علیہ ھیں۔...... تصوف میں ان کا مذھب مختار ھے۔ان کے مذھب کی بنیادی خصوصیت یہ ھے کہ وہ فقر پرتصوف کوفضیلت دیتے ھیں۔اوران کا معاملہ حضرت جنید رحمته اللہ علیہ کے مذھب کے موافق ھے۔اوراس طریقہ کے نوادرات میں سے یہ ھے کہ صاحب حق صحبت میں اپنے حق کاایثار کرتے ھیں۔...... حضرت نوری فرماتے ھیں کہ درویشوں کے لئے صحبت فرض ھے اور گوشۂ نشینی ناپسندیدہ اور یہ کہ ھم نشین کا دوسرے ھم نشین کے لئے ایثار بھی فرض ھے۔

(٦) فرقہ سھیلیہ: فرقہ سھیلیہ کے پیشوا حضرت سھیل بن عبداللہ تستری رحمته اللہ علیہ ھیں...... ان کے مزھب کی خصوصیت اجتھاد مجاھدہ نفس اور ریاضت شاقّہ پر ھے۔ مریدوں کو مجاھدے سے درجہ کمال تک پھنچادیتے تھے۔

(۷) فرقہ حکیمیہ: فرقہ حکیمیہ کے پیشوا

حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمتہ اللہ علیہ ہیں...... انکے مذہب کی خصوصیت اثباتِ ولایت اوراس کے قواعد و درجات کابیان ہے۔

(۸)فرقہ خرازیہ: فرقہ خرازیہ کے پیشوا حضرت ابوسعید خرازی رحمتہ اللہ علیہ ہیں...... فناو بقا پر سب سے پہلے انہوں نے گفگتو فرمائی اور طریقت کے تمام رموز کو آپ نے ان ہی دو کلموں میں پوشیدہ کردیا ہے۔

(۹) فرقہ خفیفیہ : فرقہ خفیفیہ کے پیشوا حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمتہ اللہ علیہ ہیں......تصوف میں انکے مذہب کی خصوصیت غیبت اور حضور ہے جسکو عبارت میں بیان نہیں کیاجاسکتا(یعنی اسکا بیان مشکل ہے)۔

(۱۰) فرقہ سیاریہ: سیاری فرقہ کے پیشوا حضرت ابوالعباس سیاری رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔سیاری مذہب کی خصوصیت جمع وتفرقہ ہے جو تمام اہل علم کے درمیان مستعمل ہے۔

(۱۱۔۱۲) ملحدوں کے حلولی فرقے : حلولیوں کے دومردودگروہ ہیں۔جو صوفیاء کے ساتھ محبت کادم بھرتے ہیں ۔مگرحقیقت میں وہ گمراہی کے اندر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ایک مردود گروہ اپنا پیشوا ابو حلمان دمشقی کوبتا تاہے اور ان کی طرف حلول و امتزاج اورنسخ ارواح کی باتیں منسوب کرتا ہے۔دوسرا

مردودگروہ وہ ہے جوفارس کی طرف نسبت کرتا ہے اوردعویٰ کرتا ہے کہ یہ حضرت حسین بن منصور کا مذہب ہے۔حالانکہ ان ملحدوں کے سوا حضرت حسین بن منصور کے اصحاب و تلامذہ میں سے کسی کابھی یہ مذہب نہیں ہے۔میں نے ابوجعفر صیدلانی کودیکھا ہے جوچار ہزارلوگوں کے ساتھ عراق میں پھیلا ہواہے اور اپنے آپ کو حلّاجی کہلاتا ہے۔"

(کشف المحجوب (اردو)صفحہ نمبر ٣٤٨..٣٥٥)

مندرجہ بالا تمام مذاہب کے بنیادی اصول اور انکے اشتقاق پر شیخ علی ہجویری نے **کشف المحجوب** میں سیر حاصل بحث کی ہے۔اس جگہ صرف بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور تفصیل سے صرف نظر کیا گیا ہے تاکہ طوالت سے بچا جائے۔ویسے بھی ان میں سے اکثر مذاہب معدوم ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں انہیں مذہب نہیں مشرب کہا جاتا ہے اوران کی نسبت بھی ان بزرگوں کی طرف نہیں کی جاتی جن کا ذکر مندرجہ بالاسطور میں ہوا۔بلکہ طالبین ان کی نسبت ان شیوخ کی طرف کرتے ہیں جن سے وہ بیعتاً وابستہ ہوتے ہیں۔

سلاسل صوفیا: جس طرح زنجیر کی ہر کڑی اپنے ٹھیک پہلے اور ٹھیک بعد کی کڑی سے جڑی ہوتی ہے۔اسی طرح طریقۂ بیعت وارشاد میں مرید بذریعہ بیعت اپنے پیر سے وابستہ ہوتا ہے۔اوراسکا پیر اپنے پیر سے 'یہاں تک کے یہ وابستگی پشت بہ پشت حضور سیّدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتی ہے۔روحانی وابستگی کی یہ زنجیر اصطلاحاً "سلسلہ" کہی جاتی ہے۔سلسلہ کی کوئی کڑی کسی سبب سے اگر مرتعش ہو جائے تو کم و بیش تمام کڑیاں متاثر ہوتی ہیں۔بعد کی کڑی کے حق میں یہ تاثر اخذ فیضان ہے اور قبل کی

کڑی کے لئے ترسیل فیضان۔ اگر سلسلہ کی کوئی کڑی غائب ہو یا ٹوٹی ہوئی ہو تو سلسلہ متصل نہیں رہتا، منقطع ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں روحانی فیضان نہ تو اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ترسیل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبان سلسلہ نے شروع ہی سے سلسلہ میں اتصال پر کڑی نظر رکھی ہے کیونکہ مقصد بیعت کے حصول کیلئے یہ پہلی اہم شرط ہے۔ اس شرط کی غیر موجودگی میں روحانیت منقطع ہو جاتی ہے اور شیطان کیلئے کھل کھیلنا آسان ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً گمراہ اور بے دین فرقے سلسلہ کے نام پر ظہور میں آجاتے ہیں۔ اللہ ان سے محفوظ رکھے۔

صوفیاء کے درمیان جو سلاسل پائے جاتے ہیں وہ کب منظم ہوئے اسے ٹھیک ٹھیک بتانا مشکل ہے۔ ہاں، اتنی بات البتہ کہی جا سکتی ہے کہ زمانۂ ماقبل میں بزرگوں کے یہاں ان کے سفینوں میں پیر اور ان کے اوپر کے بزرگوں کے اسمائے گرامی مرقوم ہوتے تھے لیکن ان کی شناخت عام طور سے وابستگی کے اعتبار سے نہیں کی جاتی تھی بلکہ مذہب یا مشرب کے لحاظ سے کی جاتی تھی۔ یہ اس لئے کہ بیعت ابتداً محض ایک انفرادی فعل سمجھا جاتا تھا جس کے نتیجے میں مرید اپنے پیر کی نگرانی میں راہ سلوک اختیار کرتا اور بالآخر اللہ کے فضل سے بامراد ہوتا۔ لیکن بعد کے زمانے میں سیاسی اتھل پتھل، تہذیبی انتشار اور فلسفیانہ کج بحثیوں نے مذاہب تصوف کو رفتہ رفتہ معدوم ہونے پر مجبور کر دیا۔ چند ایک اپنے ماننے والوں کی قد آور شخصیتوں کے باعث باقی بھی رہ گئے لیکن قدرے تبدیلی کے ساتھ یعنی انہیں بجائے مذہب کے مشرب کہا جانے لگا۔ مذہب اور ذاتی علوئے مرتبت یہ دو بنیادیں تھیں جن پر بزرگوں کی شناخت قائم تھی۔ ایک بنیاد کمزور پڑ گئی۔ اور دوسرے کو غبار زمانہ نے ڈھک لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بزرگوں کی شناخت کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ انتشار عام کے سبب انفرادیت بے وقعت ہونے لگی۔ اور اجتماعیت کے نام پر فکری گروہ بندی کا چلن عام ہو گیا۔ اس نے کسی قدر راحت تو پہنچائی لیکن اسکا ایک منفی پہلو یہ بھی نکلا کہ مختلف الخیالی نے باہمی چپقلش کی صورت بھی

پیدا کی۔ صوفیائے کرام نے تنظیم سلسلہ کی شکل میں اس کا متوازن اور قابل عمل حل پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے سفینوں میں پیروں اور ان کے اوپر کے بزرگوں کے اسمائے گرامی کا اندراج اس کام میں بڑا معاون ثابت ہوا۔ ایک پیر کے مریدوں کے درمیان اخوت روحانی کا رشتہ موجود ہی تھا اسے اس تصور نے مزید مستحکم کر دیا کہ وہ سب ایک ہی روحانی سلسلہ سے وابستہ ہیں جو بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا انہیں ہر اعتبار سے ایک دوسرے کا معین ومددگار ہونا چاہیئے۔ خواہ روحانی معاملہ ہو یا مادی مسئلہ اسے مل جل کر حل کرنا فلاح کی راہ ہے۔ اس طرح سلسلہ سفینوں کے اوراق سے نکل کر میدان عمل میں داخل ہوا۔ اور اس نے دور انتشار میں نہ صرف محدود مگر مثبت اجتماعیت کی ایک شکل فراہم کی بلکہ بزرگوں کی شناخت کا جو مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا اسے بھی حل کیا۔ اب بزرگوں کی پہچان بجائے مذہب کے سلسلہ سے متعلق ہوگئی۔ بیعت جو پہلے صرف اُخروی فلاح یابی کے لئے ایک انفرادی فعل سمجھا جاتا تھا اب سلسلہ کی برکت سے اُخروی فلاح کے ساتھ ہی دینوی کشادگی کا باعث بھی بنا۔ لوگوں کے اندر اجتماعی شعور بیدار ہوا۔ اور حوادث زمانہ سے مل جل کر نبرد آزما ہونے کی ہمت پیدا ہوئی۔ الغرض روحانی سلسلہ ایسا اجتماعی نظام ثابت ہوا اور ہے جس کے نورانی حصار میں وابستگان سلسلہ کے لئے ناموافق حالات کے یلغار سے محفوظ رہتے ہوئے سکون واطمینان کے ساتھ راہ سلوک پر چلنا آسان ہو گیا۔

قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ تنظیم سلاسل کا تصور پانچویں صدی ہجری میں سامنے آیا۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے **''کشف المحجوب''** میں چند بزرگوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ کہ ان کے ساتھ ان کے پیر اور ان کے پیر کے پیر کے اسمائے گرامی بھی مذکور ہو جائیں۔ اس تصور نے وسعت اختیار کی اور صوفیائے کرام نے تحقیق وتفتیش کے بعد اپنے سلاسل کو مربوط کیا اور پشت بہ پشت متصلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک شجرے

مرتب کئے اور اپنے وابستگان کو اس پر مطلع بھی کیا۔

""شجرات طیبات فی الحقیقت اسماء الرجال کے نوع کی اسناد ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے پیران سلسلہ کے واسطے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً وابستہ ہے۔ بزرگوں نے شجرات سلاسل کی تدوین اور چھان بین کر کے ان تمام دروازوں کو بند کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس سے مدعیان کاذب کے گھس آنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔""

("خضرراہ" صفحہ نمبر ١٠٥ مصنفہ ذکی احمد هاشمی)

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت فردوسی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے ایک مجلس میں حاضرین کے سامنے اپنے پیروں کا شجرہ اس طرح بیان فرمایا۔

"............ شجرۂ پیراں اینست

فقیر حقیر شرف الدین منیری خرقہ از خدمت شیخ الاسلام نجیب الدین فردوسی دارد و خِدمت شیخ الاسلام نجیب الدین خرقہ از خِدمت شیخ الاسلام رکن الدین فردوسی دارد و خدمت شیخ الاسلام رکن الدین خرقہ از خدمت شیخ الاسلام بدرالدین سمرقندی دارد و خدمت شیخ الاسلام بدرالدین سمرقندی خرقہ از شیخ الاسلام سیف الدین باخرزی دارد و خدمت شیخ الاسلام سیف الدین باخرزی خرقہ از شیخ الاسلام نجم الدین کبریٰ دارد و خدمت شیخ الاسلام نجم الدین کبریٰ

خرقہ از خدمت شیخ الا سلام ابو نجیب
ضیاء الدین سہروردی دارد
وخدمت شیخ الاسلام ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی
خرقہ از خدمت شیخ الاسلام وجہ الدین ابو حفص دارد
وخدمت شیخ الاسلام وجہ الدین ابو حفص
خرقہ از خدمت پدر خود محمد بن عبداللہ
المعروف بہ عمویہ دارد و خدمت
شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ
خرقہ از شیخ الاسلام احمد سیاہ
دینوری دارد و خدمت
شیخ الاسلام احمد سیاہ دینوری
خرقہ از شیخ الاسلام ممشاد علو
دینوری دارد و خدمت
شیخ الاسلام ممشاد علو دینوری
خرقہ از شیخ الاسلام ابو القاسم
جنید بغدادی دارد و خدمت
شیخ الاسلام جنید بغدادی
صحبت باخال خود خواجہ
سری سقطی دارد و خواجہ
سری سقطی صحبت با خواجہ
معروف کرخی دارد و خدمت
خواجہ معروف کرخی صحبت
با خدمت امام علی رضا
رضی اللہ عنہ دارد و خدمت

علی رضا صحبت با پدر خود
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
دارد وخدمت امام موسیٰ کاظم
صحبت باپدر خود امام جعفر صادق
علیہ السلام دارد و خدمت
امام جعفر صادق صحبت با پدر خود
امام محمد باقر علیہ السلام دارد و
خدمت امام محمد باقر صحبت با پدر
خود امام زین العابدین علیہ السلام
دارد و خدمت زین العابدین
صحبت با پدر خود امام حسین
شہید کربلا علیہ السلام دارد
وخدمت امام حسین شہید کربلا
صحبت با پدر خود امیرالمومنین
علی رضی اللہ عنہ دارد و خدمت
امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ
صحبت بارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارد

(مجلس سی و یکم "معزالمعانی" ملفوظ
مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ)

اسی طرح دوسرے بزرگوں نے بھی اپنے اپنے سلاسل کو منظم کیااور شجرے ترتیب دئے نیز اپنے وابستگان کواس سے آگاہ کیا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ پیران عظام کے یہاں مریدوں کو سلسلہ کا شجرہ دینا امر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی مدد سے نام بہ نام بزرگوں کوایصال ثواب کیا جائے۔اور کسب فیض کیا جائے۔

سلسلے کا نام کیا ہو' اس کے لئے تین طریقے اپنائے گئے۔ ایک طریقہ یہ رہا کہ سلسلے کی کسی عظیم المرتبت اور صاحب تحقیق شخصیت کے اسم گرامی پر سلسلہ کو موسوم اور منسوب کر دیا گیا۔ جیسے سلسلہ قادریہ حضرت شیخ محی الدین **عبدالقادر جیلانی** رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ دوسرا طریقہ یہ اپنایا گیا کہ سلسلے کے کسی مشہور بزرگ کی جائے سکونت کے نام پر سلسلہ کا نام رکھا گیا۔ جنھوں نے سلسلے کو منظم کیا ہو۔ جیسے سلسلہ چشتیہ حضرت ابو احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی جائے سکونت قریۂ چشت کی طرف منسوب ہے۔ تیسرا طریقہ یہ رہا کہ سلسلہ کے کسی بافیض بزرگ کی روش خاص کے مطابق سلسلہ کا نام رکھا گیا۔ جیسے سلسلہ شطاریہ جو حضرت عبداللہ شطار رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ حضرت مخدوم شاہ شعیب رحمتہ اللہ علیہ نے سلسلہ فردوسیہ کی نسبت تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے 'مناقب الاصفیا' میں بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"الالقاب تتنزل من السماء ذالك فضل الله يوتيه من يشا۔"

(**ترجمہ:** نام آسمان سے اترتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔)

اہل علم حضرات نے اپنی تصانیف میں سلاسل کا ذکر مختلف انداز سے کیا ہے۔ حضرت ابوالفیض قاضن علا شطاری رحمتہ اللہ علیہ نے **"معدن الاسرار"** میں تمام سلاسل کا ذکر چہاردہ خانوادہ کے نام سے کیا ہے۔ ابوالفضل نے بھی "آئینِ اکبری" میں درج ذیل چودہ سلاسل کا ذکر کیا ہے۔

(۱) حبیبیاں (۲) طیفوریاں (۳) کرخیاں (۴) سقطیاں (۵) جنیدیاں (۶) گازرونیاں (۷) طوسیاں (۹) سہروردیاں (۱۰) زیدیاں (۱۱) عیاضیاں (۱۲) ادھمیاں (۱۳) هبیریاں (۱۴) چشتیاں۔

"سفینتہ الاولیاء" میں دارا شکوہ نے سلاسل کی تقسیم اس طرح کی ہے۔

(۱) سلسلۂ عالیہ قادریہ (۲) سلسلۂ شریفہ خواجگان بزرگوار

(۳) سلسلۂ شریفۂ چشتیہ (۴) سلسلۂ کبرویہ
(۵) سلسلۂ سہروردیہ (۶) متفرقہ

کئی حضرات نے "**چار پیر چودہ خانوادے**" کے عنوان کے تحت سلاسل پر بحث کی ہے۔ ان ہی میں ایک صاحب جناب مرزا عبدالستار بیگ سہرامی ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیف "**تذکرۃ السالکین فی تذکرۃ الواصلین**" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ' کے خلفاء کے خلفا حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ للہ علیہ اور حضرت خواجہ حبیب عجمی سے چودہ خانوادے بہ ایں تفصیل جاری ہوئے۔ حضرت عبدالواحد بن زید سے پانچ خانوادے **زیدیہ' عیاضیہ' ادھمیہ' ھبیریہ** اور **چشتیہ** (یہ پانچوں خانوادے زیدیہ کہے جاتے ہیں) حضرت حبیب عجمی سے نوخانوادے **حبیبیہ' طیفوریہ' کرخیہ' سقطیہ' جنیدیہ' گازرونیہ' طوسیہ' فردوسیہ' سھروردیہ** (یہ خانوادے حبیبیہ کہلاتے ہیں۔)

حضرت مخدوم سید شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ (م ۱۹٦۷ء) نے اپنی تالیف "**السلاسل والا سانید**" (قلمی) میں ان تمام سلاسل کو مع ان کی شاخوں کے جمع کیا ہے۔ جوانکے والد بزرگوار اور پیر بیعت **حضرت شاہ سید علی** اور مرشدین **حضرت سید شاہ عبدالقادر' مولانا سید محمد رِفیق** اور **حضرت شاہ شاھد علی سبزپوش** رحمہم اللہ علیہم کے واسطے سے ان تک پہنچے۔ ان سلسلوں کی تعداد انیس ہے۔ اور یہ سلاسل حضرت **سیدنا ابوبکر صدیق** رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ' **حضرت علی** کرم اللہ وجہ' **حضرت عبدالعزیز** علمبردار نبوی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور **حضرت خواجہ خضر** علیہ السلام کے واسطے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

سلسلہ قادریہ: سلسلہ قادریہ غوث پاک حضرت سیدنا محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ کو ارادت حضرت شیخ حماد دباس سے تھی۔ اور ارشاد حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی اور پدر بزرگوار حضرت موسیٰ صالح جنگی دوست سے۔ سلسلہ آپکو اپنے مرشدین سے ملا۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی سے جو سلسلہ آپکو ملا وہ دو وسائط سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور اپنے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ صالح جنگی دوست سے جو سلسلہ ملا وہ خاندانی سلسلہ ہے اور ابا عن جد، پشت بہ پشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سلک اوّل: حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی عن شیخ ابوسعید مبارک مخزومی عن خواجہ ابوالحسن قرشی الہنکاری عن شیخ ابوالفرح طرطوسی عن خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز یمنی عن ابو بکر جعفر شبلی عن حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی عن خواجہ سری سقطی عن خواجہ معروف کرخی عن امام علی رضا عن امام موسیٰ کاظم عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک دوم: از حضرت محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی تا حضرت خواجہ معروف کرخی اس سلک میں بھی بزرگوں کے اسمائے گرامی وہی ہیں جو سلک اول میں ہیں. حضرت خواجہ معروف کرخی سے آگے اسطرح ہے۔ حضرت خواجہ داؤد طائی عن خواجہ حبیب عجمی عن خواجہ حسن بصری عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک سوئم: حضرت محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی عن ابوصالح جنگی دوست عن یحییٰ زاہد عن ابواحمد محمد الرومی عن ابی

عبدالرحمٰن داؤدعن موسیٰ ثانی عن عبداللہ ثانی عن موسیٰ الجون عن عبداللہ المحض عن حسن مثنیٰ عن امام حسن عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت میں اولاً خود حضور غوث پاک کی عظیم المرتبت اور پرتاثیر شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔ نیز آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے سلسلہ کی اشاعت بڑے پیمانے پر کی۔ آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادگان حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب ' حضرت تاج الدین عبدالرزاق اور حضرت عبدالعزیز رحمہا اللہ علیہم کے علاوہ حضرت علی بن ہیتی ' حضرت ابوابراہیم المقدسی ' حضرت ابو نجیب ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان ہی بزرگوں سے سلسلہ قادریہ زیادہ تر جاری رہا۔ اور اب تک ہے۔ ہندوستان میں حضرت سید محمد گیلانی اوچی ' حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ' حضرت سید محمد انجھری ' حضرت قمیص قادری اور پیر مجیب اللہ پھلواروی نے اس سلسلہ کو بہت فروغ دیا۔

سلسلۂ قادریہ کی خصوصیت ہے شریعت پر سختی سے کاربند رہنا ' مکروہات دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہنا۔ حضور غوث پاک قدس سرہ نے اپنی تصنیف "فتوح الغیب" میں اس سلسلہ کی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے۔ مقالہ اوّل صفحہ نمبر ۹۔۱۰ میں تحریر ہے کہ:

"ھرمومن کیلئے ھر حال میں یه تین چیزیں لازمی ھیں. ایك یه که حکم الٰھی کی تعمیل کرے' دوسرے یه که ممنوعات سے بچتا رھے' تیسرے یه که قضائے الٰھی پر راضی رھے. پس مومن کے لئے کم سے کم مرتبه یه ھے که ان تین چیزوں سے خالی نه ھو."

(فتوح الغیب صفحه نمبر ۹۔۱۰)

''فتوح الغیب'' کے باب ۷۵ میں حضور غوث پاک قدس سرہٗ نے اپنے فرزند حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب کو وصیت فرمائی ہے اور ایسا دستور العمل بتایا ہے جس سے انسان اللہ چاہے تو عارف کامل بن سکتا ہے۔ اس میں پابندیٔ شریعت 'اتباع سنّت 'ضبط نفس' مجاہدہ اور ادائے حقوق العباد کی تعلیم دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اور اس کی اطاعت اختیار کرو۔ اور احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو۔ سینہ کو (خباثت نفس) سے صاف رکھو۔ اور اپنے اندر جواں مردی رکھو۔ اور کشادہ رو رہو۔ جو شئے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو اور آداب درویشی نگاہ میں رکھو۔ نیز بزرگوں کی بزرگ داشت کرتے رہو' برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو' چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو' اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو' ایثار کو اپنے اوپر لازم کرلو' اور مال کا ذخیرہ کرنے سے بچو۔"

(فتوح الغیب صفحہ نمبر ۳۹۵

بحوالہ تصوف اسلام صفحہ نمبر ۱۱۰)

اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت ابتداءً بغداد میں ہوئی اور وہاں سے رفتہ رفتہ اس کی وسعت اور شہرت تمام اسلامی دنیاء میں پھیلی۔ بلاد عراق و شام' ارض حجاز اور ایران و افغانستان سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا۔ یہاں اس کی مقبولیت کا یہ حال ہوا کہ جس ماہ میں حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کا وصال ہوا ہے وہ مہینہ گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہو گیا۔ عبدالماجد دریابادی نے اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ:

"اگر یہ سوال کیاجائے کہ صوفیائے کرام کے سارے سلسلوں میں شہرت عام اور مقبولیت انام سب سے

زیادہ کس کے حصے میں آئی؟تو عجب نہیں کہ متفقہ طور پر نام حضرت شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا زبانوں پر آکررہے۔دوسرے بزرگوں کے حلقے پھر بھی محدود ہیں۔شیخ جیلانیؒ کانام خواص و عام سب کی زبان پر ہے۔"

﴿تصوف اسلام صفحہ نمبر ۹۸﴾

سلسلہ چشتیۂ : سلسلہ چشتیہ کی نسبت حضرت ابواسحاق (م ـــــــ) سے ہے۔ لیکن شہزادہ داراشکوہ نے اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں حضرت خواجہ ابواحمد چشتی (م ـــــــ)(مرید و خلیفہ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی) کو سلسلہ چشتیہ کا سردار لکھا ہے۔ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی اس سلسلے کے پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ "چشتی" **جڑا** ہوا ہے۔ مقام چشت میں آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔ سلسلہ کانام چشت کی رعایت سے **"چشتیہ"** پڑا۔ آپ کو جو سلسلہ ملا وہ اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی عن حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری عن حضرت خواجہ ہبیرہ بصری عن حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی عن حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخی عن حضرت خواجہ فضیل عیاض عن حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید عن حضرت خواجہ حسن بصری عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت اور شہرت قصبہ چشت سے شروع ہوئی اور سنجان، دمشق، بجستان، خراسان اور نیشاپور ہوتی ہوئی ہندوستان پہنچی۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء سے بہت فروغ ہوا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی (مرید و خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ معین الدین چشتی) حضرت بابافریدالدین گنج شکر (مرید و خلیفہ و جانشین حضرت قطب الدین بختیار کاکی)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (مرید و خلیفہ و جانشین حضرت فرید الدین گنج شکر) حضرت علاء الدین احمد صابر کلیری (مرید و خلیفہ حضرت فرید الدین گنج شکر) اور انکے خلفاء سے اس سلسلے کی کافی شہرت ہوئی۔ دہلی میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی گلبرگہ شریف (دکن میں) حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز اور صوبہ بنگال میں حضرت علاء الحق پنڈوی اور ان کے صاحبزادے نور قطب عالم پنڈوی سے چشتی فیضان پھیلا۔ حضرت علاء الحق پنڈوی کے مرید و خلیفہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی اور حضرت مخدوم حسام الحق مانک پوری سے یوپی کا خطہ فیضیاب ہوا۔ حضرت مخدوم طیب بنارسی اور حضرت دیوان محمد رشید جونپوری کی ذات گرامی سے سلسلہ چشتیہ کی شہرت ہندوستان گیر طور پر ہوئی۔ صوبہ بہار میں بھی حضرت آدم صوفی خلیفہ و مجاز حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین طویلہ بخش خلیفہ و مجاز نور قطب عالم پنڈوی اور حضرت جمال الحق بندگی مصطفٰے چمنی بازار پورنیہ کے ذریعہ اس سلسلہ کی بہت ترویج ہوئی۔

سلسلہ چشتیہ کا رابطہ عوام الناس سے زیادہ ہے کیونکہ اس سلسلے کے مشائخین نے سختی نہ کی بلکہ تبلیغ اسلام اور اشاعت سلسلہ کا ایسا دلکش اور پرکشش انداز اختیار کیا کہ بلا فرق مذہب و ملت سب اس کے شیدائی بن گئے۔ سلسلہ کی خاص چیز محفل سماع ہے۔ جذب و مستی اور کیف و حال کی جاذبیت نے عقیدت مندوں کو اپنی طرف جوق در جوق کھینچا۔ صدیاں گزر گئیں لیکن ہندالولی کا دربار اسی شان اور آن بان سے کھلا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سلسلہ چشتیہ محض ایک عوامی سلسلہ ہے۔ اس سلسلے میں جو مخصوصین ہیں ان کو جس احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانا پڑتا ہے اور جس ایثار و قربانی کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے نے عوام و خواص سب کو نوازا۔ یہاں تک کہ سلاطین وقت نے بھی چشتی بزرگوں کے آستانوں پر جبین عقیدت جھکائی ہے۔ آج بھی اس کا فیضان کل ہی کی طرح عام ہے۔

سلسلہ سہروردیہ: حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے برادرزادہ اور مرید و جانشین حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ (م ۶۳۲ھ) سے سلسلہ سہروردیہ منسوب ہے۔ آپ کا تعلق قریہ سہرورد سے ہے۔ لہٰذا آپ کے سلسلہ کا نام سلسلہ سہروردیہ پڑا۔ آپ کو جن واسطوں سے سلسلہ ملا اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سلک اوّل: حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی عن حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی عن حضرت خواجہ قاضی وجہ الدین ابو حفص عن حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ عن خواجہ احمد اسود دینوری عن خواجہ ممشاد دینوری عن خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی عن خواجہ سرّی سقطی عن خواجہ معروف کرخی عن حضرت امام علی رضا عن حضرت امام موسیٰ کاظم عن حضرت امام جعفر صادق عن حضرت امام محمد باقر عن حضرت امام زین العابدین عن حضرت امام حسین شہید کربلا عن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ عن حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

سلک دوئم: از حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ تا حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ اس سلک میں بھی بزرگوں کے نام وہی ہیں جو سلک اول میں ہیں۔ آگے اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ معروف کرخی عن حضرت داؤد طائی عن حضرت حبیب عجمی عن حضرت خواجہ حسن بصری عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک سوئم: اس سلک میں حضرت شیخ الشیوخ سے حضرت محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ تک بزرگوں کے اسمائے گرامی وہی ہیں جو سلک اول میں ہیں۔ آگے اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ عن حضرت خواجہ اخی فرخ زنجانی

عن حضرت خواجہ ابوالعباس احمد بن محمد الفضل نہاوندی عن خواجہ ابو محمد عبد اللہ الخفیف شیرازی عن خواجہ ابو محمد رویم عن خواجہ جنید بغدادی......
اس سے آگے اسمائے گرامی سلک اول یا سلک دوئم کی مانند ہیں۔

سلک چہارم: حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی عن حضرت ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی عن حضرت شیخ احمد غزالی عن شیخ ابو بکر بن عبد اللہ الطوسی النساج عن حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی عن شیخ عثمان منغربی عن شیخ ابو علی کاتب المصری عن شیخ ابو علی احمد بن محمد بن القاسم بن منصور الرودباری عن خواجہ جنید بغدادی......
اس سے آگے سلک اول یا سلک دوئم کی مانند۔

سلک پنجم: حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی عن حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ عن حضرت خواجہ اسمٰعیل قصیری عن حضرت شیخ محمد بن مانکیل عن حضرت شیخ محمد بن داؤد المعروف بخادم الفقراء عن حضرت شیخ ابوالعباس ادریس عن حضرت شیخ ابوالقاسم رمضان عن حضرت شیخ یعقوب طبری عن حضرت شیخ ابو عبد اللہ عثمان عن حضرت ابو یعقوب الحق بن محمد نہرجوری عن حضرت شیخ عبد ابو یعقوب یوسف بن حمدان سوسی عن حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید عن حضرت خواجہ کمیل ابن زیاد عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ نے ۵۶۰ھ میں **'عوارف المعارف'** تصنیف کی۔ یہ کتاب فن تصوف پر گراں قدر تصنیف ہے اور گروہ صوفیاء میں مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ بلکہ صوفیائے متاخرین کے سلوک کی تعلیم کا گراں قدر ماخذ ہے۔ دیگر صوفیا کی طرح شیخ الشیوخ نے بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی پرزور تاکید کی ہے۔ ان کے نزدیک تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب حقیقتاً اتباع سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمرہ ہے۔ جو شخص اس سرچشمہ رشد وہدایت سے جتنا سیراب ہوا

اتنا ہی صفائے قلب کی دولت اسے ملی۔ 'عوارف المعارف' صفحہ نمبر ۲۶ میں تحریر ہے کہ:

"پس جو شخص جتنا زیادہ متبع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی قدر زیادہ وہ محبت الٰہی کابھی حصہ دار ہے۔"

سلسلہ سہروردیہ کی مقبولیت اولاً سہرورد، دمشق اور بخارا میں ہوئی۔ پھر صوبہ پنجاب (ہندوستان، اب پاکستان) کے خطہ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ذریعہ ہوئی۔ بنگال میں حضرت شیخ الشیوخ کے دوسرے خلیفہ حضرت خواجہ احمد دمشقی اور سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین بخاری کے ذریعہ اس سلسلہ کو کافی فروغ ہوا۔ اس سلسلے کے دوسرے مشہور بزرگ امیر کبیر سید علی ہمدانی ہیں۔ جن کے ذریعہ کشمیر میں اس کی وسعت اور شہرت ہوئی۔ صوبہ بہار میں حضرت شہاب الدین پیر جگجوت (کچی درگاہ، جیو ٹھلی، پٹنہ) اور منیر شریف میں حضرت مخدوم یحیٰی منیری (پدر بزرگوار حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری) اور بہار شریف میں حضرت مخدوم احمد چرمپوش مشہور سہروردی بزرگ گزرے ہیں۔ صوبہ بہار میں حضرت غریب اللہ دھکڑ پوش، حضرت ضیاء الدین صوفی چنڈھوسی اور حافظ مجھن جلال ناصحی سارنی نے بھی اس سلسلہ کو مقبول عام و خاص بنایا۔

سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی مانند سلسلہ سہروردیہ کی شہرت بھی ہندوستان گیر طور پر ہوئی اور آج بھی ہے۔

سلسلہ کبرویہ: سلسلہ کبرویہ حضرت خواجہ نجم الدین کبری ولی تراش قدس سرہٗ (م ــــــ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ مشائخ عظام اور صوفیائے کبار میں سے تھے۔ آپ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہٗ نے 'مناقب الاصفیا' میں تحریر کیا ہے کہ:

"سخن در توحید و معرفت و در قواعد طریقت و حقیقت بہ

بیانے بدیع گفتے تصنیفات او به عربی و فارسی و نظم و نثر بسیار است از جمله تصنیفات او 'تبصره' و 'رساله' در بیان طریق سلوك دریں زمین هند مشهور است۔"

(مناقب الاصفیاء صفحه نمبر ۹۵)

ترجمہ: توحید و معرفت میں آپ کا کلام اور طریقت و حقیقت کے اصول پر آپ کا بیان منفرد انداز کا حامل ہے۔ آپ کی تصنیفات عربی و فارسی اور نظم و نثر میں بہت ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں 'تبصرہ' اور 'رسالہ' جس میں طریق سلوک بیان فرمایا ہے' ہندوستان میں مشہور ہے۔

آپ کی تصنیف '**رسالہ**' فن تصوف پر بہت اہم کتاب ہے۔ اس میں موت ارادی کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ جس سے طریق شطار کی بنیادیں مستحکم تر ہوئیں۔ آپ کو تین بزرگوں سے سلسلہ ملا۔ تفصیل اس طرح ہے۔

سلک اوّل: حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش عن حضرت خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی عن حضرت خواجہ ابو حفص وجہ الدین عن حضرت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ عن حضرت خواجہ احمد اسود دینوری عن حضرت خواجہ ممشاد دینوری عن حضرت خواجہ جنید بغدادی عن حضرت خواجہ سری سقطی عن حضرت خواجہ معروف کرخی عن حضرت امام علی رضا عن حضرت امام موسیٰ کاظم عن حضرت امام جعفر صادق عن حضرت امام محمد باقر عن حضرت امام زین العابدین عن حضرت امام حسین شہید کربلا عن حضرت علی مرتضیٰ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک دوئم: حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش عن حضرت خواجہ عمار یاسر عن حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی عن حضرت امام احمد غزالی عن حضرت شیخ ابو بکر نساج عن حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی عن حضرت شیخ عثمان مغربی عن حضرت ابو علی کاتب

المصری عن حضرت شیخ ابو علی رودباری عن حضرت خواجہ جنید بغدادی عن حضرت خواجہ سری سقطی عن حضرت خواجہ معروف کرخی عن حضرت داؤد طائی عن حضرت خواجہ حبیب عجمی عن حضرت خواجہ حسن بصری عن حضرت علی مرتضیٰ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک سوئم: حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش عن حضرت خواجہ اسمٰعیل قصیری عن حضرت شیخ محمد بن مانکیل عن حضرت شیخ محمد بن داؤد المعروف بخادم الفقرا عن حضرت شیخ ابوالعباس ادریس عن حضرت شیخ ابوالقاسم رمضان عن حضرت شیخ یعقوب طبری عن حضرت شیخ ابو عبداللہ عثمان عن حضرت ابویعقوب اسحٰق محمد بن نہرجوری عن حضرت شیخ عبدابویعقوب یوسف بن حمدان سوسی عن حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید عن حضرت خواجہ کمیل بن زیاد عن حضرت علی مرتضیٰ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت **نجم الدین** کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ کے خلفاء حضرت **مجدالدین بغدادی، شیخ سعدالدین حموی، بابا کمال جنیدی، شیخ رضی الدین علی لالا اور شیخ سیف الدین باخرزی** رحمہم اللہ علیہم سے سلسلہ کبرویہ سہروردیہ، سمرقند اور خوارزم کے علاقے میں بہت پھیلا۔ لیکن ہندوستان میں اس نے سلسلہ فردوسیہ کا رنگ روپ اختیار کرلیا۔ اس پر اگلے سطور میں روشنی ڈالی جائے گی۔

سلسلہ فردوسیہ: سلسلہ فردوسیہ کو بعض حضرات نے حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ سے منسوب کیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے سلسلہ سہروردیہ کہا ہے۔ کیونکہ اوپر کے بزرگوں میں حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ اور حضرت خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی قدس سرہٗ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ حالانکہ سلسلہ سہروردیہ حضرت خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی سے نہیں بلکہ ان کے برادرزادہ مرید اور خلیفہ حضرت شیخ

الشیوخ شیخ شہاب الدین سے منسوب ہے اور اس پر سبھوں کا اتفاق ہے۔ اسی طرح حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش کے خلفاء کی نسبت تو یقیناً کبروی ہے لیکن ان کے ایک خلیفہ حضرت سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی کے بعد نسبت کبروی نے ایک اور ہی رنگ اختیار کیا جسے حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی مرید و خلیفہ حضرت بدرالدین سمرقندی نے اخذ کیا۔ سلسلہ فردوسیہ حقیقتاً ان ہی سے منسوب ہے۔ "**مناقب الاصفیا**" میں حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> **"باآنکه خواجه رکن الدین درهند چناں برآمد که به عرب و عجم رسیده شجرهٔ معظمه پیران رابسکه بنام آوردند پیران فردوس گفتند وپیوستگان ایں شجره را در هند بنام اومی خوانند فردوسی می گویند."**
>
> **(مناقب الاصفیا صفحه نمبر ۱۲۵)**

ترجمہ : خواجہ رکن الدین ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ عرب و عجم میں ان کا فیض پہنچا۔ اپنے پیران طریقت کے شجرہ کا سکہ جاری کیا اور وہ مشائخ فردوسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس شجرہ کے وابستگان کو ان ہی کے نام سے نسبت دی جاتی ہے اور فردوسی کہا جاتا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی سے ہی سلسلہ فردوسیہ کی ابتدا ہوئی۔

حضرت مخدوم سید شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ 'ذکروفکر' (قلمی) میں تحریر فرمایا ہے کہ فردوس ایک قریہ کا نام ہے جہاں سے حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ صغر سنی میں اپنے والد ماجد حضرت عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم

ہوگئے۔ یہاں حضرت بدرالدین سمرقندی قدس سرہٗ نے انھیں اپنے سایہ عاطفت میں لے لیااور پسر معنوی بناکر ان کی تعلیم و تربیت کی۔اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیااور اپنی خلافت و جانشینی سونپی۔ آپ تازندگی دادرشد و ہدایت دیتے رہے۔اور کیلوکھڑی (نزد بستی نظام الدین ٗ دہلی) کی زمین کو اپنی آخری آرام گاہ ہونے کاشرف بخشا۔ آپ کی نسبت توحید مع العشق ہے مکمل استتار حال کے ساتھ۔اور یہی نسبت سلسلہ فردوسیہ کی نسبت خاص ہے۔ صاحب **مناقب الاصفیا** نے آپ کے ایک مکتوب کا کچھ اقتباس نقل کیا ہے۔اس سے فردوسی نسبت پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ملاحظہ ہو:

اے عزیز!مشغولی آنست که دائم دریاد اوباشی و یاد او نه آں‌است که یاد حروف و اصوات کنی که آں غیراوست و درذکر فراموشی غیر او باید.چنانکه فرمود وَ اذْكُر رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ بلکه یاد او آں بود که ذاکر باشی ذات بے کیف اورا باصفات بے چوں اورا!اے عزیز!چوں چیزے ندیده باشی .یاد او چگونه کنی واو به چه وجه درخاطر توبگذرد و اکنوں بدانکه نظم

چوں آدم رافرستادیم بیروں
جمال خویش در صحرا نہادیم۔

(مناقب الاصفیا صفحہ نمبر ۱۲۵)

ترجمہ:اے عزیز!مشغولی یہ ہے کہ ہمیشہ اسکی یاد میں رہو۔ اوراس کی یاد یہ نہیں ہے کہ حروف اور آواز سے یاد کرلیاکہ یہ اس کے علاوہ ہے۔اورذکر میں اسکے سوا کو بھول جاناچاہئے۔ جیساکہ آیاہے کہ اپنے رب کویاد کرو۔سب کچھ بھول کربلکہ اس کی یاد تو یہ ہے کہ ذاکرہوجائے اس کی ذات بے کیف کااس کی صفات بے چوں کے ساتھ۔اے عزیز!جب تم نے کسی چیز کو نہ دیکھا ہو تواسکی یاد کیسے

کروگے اور اسکی یاد تمہارے دل میں کس وجہ سے آئے گی۔

بسوئے دشت آدم کو جو بھیجا
تو اپنا حسن بھی صحرا میں رکھا
یہی باعث غبار بعد میں ہے
فروغ چشم کادل کے سکوں کا

(۔ذ۔ا۔ہ)

حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ کی وطنی نسبت فردوسی کی رعایت سے آپکے سلسلہ کانام سلسلہ فردوسیہ ہوا۔ آپکو اپنے پیرو مرشد حضرت بدرالدین سمرقندی قدس سرہٗ سے ایک اور صرف ایک سلسلہ ملا جس کی پشت بہ پشت نشاندہی عظیم المرتبت فردوسی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰی منیری نے **"معز المعانی"** کی اکتیسویں مجلس میں بالو ضاحت کردی ہے۔ سلسلہ اس طرح ہے۔

حضرت مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری عن پیر کبیر حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی عن امام سلسلہ فردوسیہ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی عن خواجہ بدرالدین سمرقندی عن خواجہ سیف الدین باخرزی عن خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش عن خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی عن خواجہ ابو حفص وجہ الدین عن خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ عن خواجہ احمد اسود دینوری عن خواجہ ممشاد دینوری عن خواجہ جنید بغدادی عن خواجہ سری سقطی عن خواجہ معروف کرخی عن امام علی رضا عن امام موسیٰ کاظم عن امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن امام حسین شہید کربلا عن حضرت علی مرتضیٰ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے سلسلہ فردوسیہ کی نسبت خاص توحید مع العشق باستر حال ہے۔ اور اس سلسلے کے وابستگان بیشتر شطار طریق ہوئے ہیں۔ ان کا شیوہ خیر خواہی اور انسان دوستی مگر گم نام پسندی ہے۔ درون کی حفاظت

ماسوئی سے ماسوئی کے درمیان بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن فردوسیوں کے نزدیک نہیں بلکہ یہی ان کا طریقہ ان کی روش ہے۔ ابیات

به عشق اندر گرفتارم نه هشیارم نه دیوانه
نه دلدارم نه دل دارم نه جان دارم نه جانانه
نه از علوی خبردارم نه از سفلی اثردارم
وطن جائے د گردارم که اینجا نیست و آنجانه
نه در کنج مناجتم نه در کوئے خراباتم
خلاف عقل طا ماتم کشیده رطل مستانه

فردوسی مشائخ کو فقر و درویشی کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا ذوق بھی وافر طور پر ارزانی ہوا ہے۔ امام سلسلہ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ کی کسی مستقل تصنیف کا پتہ تو نہیں چل سکا ہے سوائے ایک مکتوب کے جس کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ لیکن ان سے اوپر کے بزرگوں میں حضرت خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی کی 'آداب المریدین' اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش کی 'رسالہ' اور 'تبصرہ' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ بعد کے بزرگوں میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ سے لیکر مخدوم سید شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ تک ہر پشت میں کشت علم وادب کی آبیاری کے لئے علمی فیضان کا دریا بہتا رہا ہے۔ آج بھی ان بزرگوں کے نام لیوا اسی روش پر قائم ہیں۔

سلسلہ فردوسیہ کی ابتداء تو دہلی میں ہوئی لیکن اسکی وسعت اور شہرت صوبہ بہار کے نصیب میں تھی۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ تلاش پیر میں دہلی تشریف لے گئے' اور حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس سرہٗ' مرید و خلیفہ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بارہ سال قبل لکھا ہوا خلافت نامہ لیکر واپس ہوئے۔ راستہ میں اس کشش نے اپنا کام کیا جو ازل ہی میں مقدر ہو چکی

تھی۔ بہیا کے جنگل میں گم ہوگئے۔ بارہ سال بقول دیگر چوبیس سال بقول سے دیگر تیس سال دشت نوردی میں گزرے۔ مشکوۃ نبوت سے تعلیم و تربیت ہوئی۔ جب داخل بہار ہوئے تو رہبر زمانہ بن چکے تھے۔ فیضان روحانی کا دریا بہااور بہار کی زمین کو سیراب کر گیا۔ آپ کے خلفاء مولانا مظفر شمس بلخی، مولانا نصیر الدین سمنانی، مولانا آموں، حضرت شمس الدین خضر بدایونی اور حضرت سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری کے ذریعہ فیضان فردوسی دور دور تک جا پہنچا۔ یہاں تک کہ عدن کی زمین بھی فیضیاب ہوئی جہاں مولانا مظفر بلخی قدس سرہٗ کی آخری آرام گاہ ہے۔ حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخی قدس سرہٗ کے ذریعہ سلسلہ یو. پی پہنچا۔ جونپور میں حضرت قطب الدین بینائے دل جونپوری نے آپ سے طریق فردوسی اخذ کیا اور اپنے علاقے میں اس کی اشاعت کی۔ حضرت مخدوم حسن جشن دائم بلخی بن حضرت مخدوم حسین نوشۂ حید سے حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہٗ کو حضرت مخدوم جہاں کی خلافت ملی اور شیخپورہ اور اس کا جوار فیضیاب ہوا۔ آپ سے حضرت الحق مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے طریقہ اخذ کیا اور ان کے خاندان میں حضرت برہان الدین عرف خوندمیاں جیسی شخصیت پیدا ہوئی جنھوں نے موضع دیورہ کو مرکز بنا کر سلسلہ کی اشاعت کی۔ منیر شریف حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ کا وطن مالوف ہے۔ یہاں فردوسی نسبت تو پہلے ہی حضرت مخدوم جہاں کے بھائی حضرت جلیل الدین مرید حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کے واسطے سے پہنچ چکی تھی لیکن حضرت شیخ درویش بلخی قدس سرہٗ نے جب بہار کی سکونت ترک کر کے منیر میں قدم رنجہ فرمایا تو شجر فردوسیہ میں برگ و بار آئے۔ دسویں صدی ہجری میں منیر کے عظیم المرتبت فردوسی بزرگ حضرت مخدوم شاہ دولت منیری قدس سرہٗ کا فیضان فردوسی اس قدر مقبول ہوا کہ عہد اکبری و جہانگیری میں سلطنت کے امراء تک حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ سلطان ہند شیر شاہ سوری منیر ہی کے فردوسی بزرگ حضرت مخدوم شاہ بڑن (دولت منیری

کے نانا) قدس سرہٗ کا مرید تھا۔ کیا عوام کیا خواص سب کے درمیان سلسلہ فردوسیہ نے زبردست مقبولیت حاصل کی۔ آج بہار میں شاید ہی کوئی خانقاہ ہو جہاں فردوسی فیضان نہ پہنچا ہو۔

سلسلہ نقشبندیہ: سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند سے منسوب ہے۔ آپ حضرت بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و مجاز حضرت سید امیر کلال کے تربیت یافتہ ہیں لیکن حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ سے بطریق اویسیت روحانی تربیت پائی ہے۔ آپ کے سلسلے کی تفصیل اس طرح ہے۔

سلک اوّل: حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند عن حضرت خواجہ میر سید کلال عن حضرت خواجہ محی الدین بابا سماسی عن حضرت خواجہ عزیزان ضیاءالدین رامیتنی عن حضرت خواجہ محمود الخیر فغنوی عن حضرت خواجہ رضی الدین عارف ریوگری عن حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی عن حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی عن حضرت خواجہ ابو علی فارمدی المکنی یعقوب عن حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی عن حضرت خواجہ عثمانی مغربی عن حضرت خواجہ ابو علی کاتب المصری عن حضرت خواجہ ابو علی رودباری عن حضرت خواجہ جنید بغدادی عن حضرت خواجہ سری سقطی عن حضرت خواجہ معروف کرخی عن حضرت امام علی رضا عن حضرت امام موسیٰ کاظم عن حضرت امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن امام زین العابدین عن حضرت امام حسین شہید کربلا۔ عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک دوئم: حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند تا حضرت امام حسین شہید کربلا بزرگوں کے اسمائے گرامی سلک اول کی مانند ہیں۔ آگے اس طرح ہے۔ حضرت امام حسین شہید کربلا عن حضرت ابو بکر صدیق عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک سوئم: حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند تا حضرت ابوالقاسم گرگانی

تمام اسمائے گرامی وہی ہیں جو سلک اول میں ہیں۔ آگے اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ ابو القاسم گرگانی عن حضرت ابوالحسن علی بن جعفر الخرقانی عن خواجہ بایزید بسطامی عن امام جعفر صادق عن حضرت قاسم بن محمد بن ابی ابکر الصدیق عن حضرت سلمان فارسی عن حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے ہے۔ آپ شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بھی شریعت پر زیادہ زور ہے۔ اور ظاہری و باطنی ہر طرح پر شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ تقویٰ کے ساتھ ساتھ احتیاط کا خیال زیادہ رکھا جاتا ہے۔ نقشبندیوں کا نعرہ ہے 'نظر بر قدم' "خلوت در انجمن"۔ اس سلسلے میں داخلے سے پہلے ریاضت و مجاہدہ' مراقبہ و ذکر و اشغال کی صبر آزما منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے کی وسعت و شہرت مکہ معظمہ' بخارا' مشہد روسی ترکستان' خوارزم اور سمرقند میں زیادہ ہوئی۔ ہندوستان میں اس کی ترویج و اشاعت دسویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ سے عہد اکبری میں بہت ہوئی۔ نیز آپکے خلیفہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سلسلے کی بڑی خدمت کی اور اسے مقبول عام بنایا۔ یہاں تک کہ ان کی نسبت سے یہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ گیارہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے علمی اعتبار سے اس سلسلہ کو بہت فروغ دیا اور اس کی وسعت ہندوستان میں اس طرح ہوئی کہ آج بھی اہل علم اس سلسلہ میں داخل ہو کر اکتساب فیض کرنا موجب سعادت سمجھتے ہیں۔

سلسلہ ابوالعلائیہ: سلسلہ ابوالعلائیہ حضرت سیدنا امیر ابوالعلی اکبر آبادی سے منسوب ہے۔ آپ اپنے عم بزرگوار حضرت میر سید عبداللہ کے مرید و مجاز تھے اور وہ نقشبندی بزرگ تھے۔ اس لئے یہ سلسلہ دراصل سلسلہ نقشبندیہ کی شاخ ہے۔ آپ کا سلسلہ اس طرح ہے۔

حضرت میر سید ابوالعلی عن حضرت میر سید عبد اللہ عن حضرت خواجہ عبد الحق عن حضرت خواجہ محمد یحییٰ عن خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار عن حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی عن حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند......اس کے آگے سلسلہ نقشبندیہ کی مانند۔

حضرت سیدنا ابوالعلی دسویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ ہیں جو عہد اکبری میں عہدہ نظامت پر متمکن تھے۔ عہد جہانگیری میں آپ نے اس منصب کو چھوڑ دیا۔ اور مسند فقر و قناعت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے بردوان سے آگرہ جاتے ہوئے منیر شریف میں حضرت مخدوم شاہ دولت منیری رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور فیوض روحانی سے مالا مال ہوئے۔

اس سلسلہ میں عطاو بخشش اور سخاوت کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔ ظاہری وجاہت اور شان و شوکت کے پردے میں فقیری پوشیدہ رہتی ہے۔ وجد و سماع کا بھی خاص شغف ہے۔

سلسلہ ابوالعلائیہ کو ہندوستان میں کافی فروغ ہوا۔ مدھیہ پردیش، گجرات اور یو. پی میں اسکی بڑی وسعت ہوئی۔ صوبہ بہار میں اس سلسلہ کا فیضان حضرت مخدوم منعم پاکباز کے ذریعہ جاری ہوا۔ اور حضرت کی نسبت کے باعث اس سلسلہ کو '**ابوالعلائیہ منعمیہ**' کہا جانے لگا۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء میں حضرت غلام حسین منعمی، مخدوم حسن علی، حضرت رکن الدین عشق، حضرت مولانا حسن رضا اور حضرت صوفی دائم شاہ اور ان کے خلفاء نے اس سلسلے کو مزید فروغ دیا اور ہر خانقاہ میں اس کے فیوض جاری و ساری ہوئے۔

حضرت منعم پاکباز کا سلسلہ حضرت ابوالعلی تک اس طرح ہے۔

حضرت منعم پاکباز عن حضرت میر سید اہل اللہ عن حضرت شاہ فرہاد عن حضرت دوست محمد عن حضرت سیدنا امیر ابولعلی

حضرت منعم پاکباز کو دوسرے سلاسل حضرت میر سید خلیل الدین (باڑھ) کے واسطے سے ملے۔

سلسلہ زاھدیہ: سلسلہ زاہدیہ کا نام سلسلہ گازرونیہ بھی ہے۔ اور اس کے امام حضرت ابو اسحٰق شہریار گازرونی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اب اس کی نسبت حضرت خواجہ فخر الدین خداداد بزرگ ابن حضرت خواجہ شہاب الدین کبیر امام کعبہ سے دی جاتی ہے۔ سلسلہ اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ فخر الدین خداداد بزرگ زاہدی عن حضرت خواجہ شہاب الدین کبیر امام کعبہ عن حضرت خواجہ صدر الدین سمر قندی عن حضرت خواجہ عبد السلام عن حضرت خواجہ عبد الکریم معشوق عن حضرت خواجہ قطب الدین عبد المجید عن حضرت خواجہ حسن یار باز عن حضرت خواجہ ابو اسحٰق شہریار گازرونی عن حضرت خواجہ عبد اللہ خفیف تیر ازی عن حضرت خواجہ ابو محمد رویم عن حضرت خواجہ جنید بغدادی عن حضرت خواجہ سری سقطی عن حضرت خواجہ معروف کرخی عن حضرت امام علی رضا عن حضرت امام موسیٰ کاظم عن حضرت امام جعفر صادق عن حضرت امام محمد باقر عن حضرت امام زین العابدین عن حضرت امام حسین شہید کربلا عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سلسلے میں پابندی شریعت کے ساتھ انکساری و سادگی مہمان نوازی اور فقرا نوازی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بظاہر جمالی شان ہے لیکن باطنی طور پر حدت قلب کی وجہ سے جلالی کیفیت طاری رہتی ہے۔

اس سلسلے کی اشاعت بغداد شیر از اور سمر قند میں زیادہ ہوئی۔ ہندوستان میں اسکا فروغ حضرت خواجہ شہاب الدین حق گو شہید سے ہوا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سلطان محمد تغلق والئی ہندوستان کے فلسفہ 'الملک عادل' کو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر ناراض ہو کر سلطان محمد تغلق نے انھیں قلعہ سے گرا کر شہید کر دیا۔ اسی بنا پر حق گو کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ہندوستان میں میرٹھ بنگال یوپی اور بہار میں اس سلسلے کی اشاعت بہت ہوئی۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

قدس سرہٗ کی طلبی پر اس سلسلے کے عظیم المرتبت بزرگ **حضرت مخدوم بدرالدین بدرعالم** زاھدی رحمتہ اللہ علیہ چاٹگام سے بہار شریف گئے۔ آپکی نیز آپ کے خلفاء اور اخلاف کی کوششوں سے اس سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔

سلسلہ شطاریہ : سلسلہ شطاریہ حضرت **شیخ عبداللہ شطار بن حسلم الدین النوری البخاری** سے منسوب ہے۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے ہیں اور سلسلہ ارادت کا تعلق حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ اسی سبب سے اس سلسلہ کو ایران و توران میں عشقیہ اور دارالملک روم میں بسطامیہ کہتے ہیں۔ آپ نے تصوف میں ایک رسالہ 'لطائف غیبیہ' لکھا ہے۔ جس کو سلطان مالوہ غیاث الدین خلجی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اشاعت دین کی غرض سے آپ نے اکثر سیاحی کی ہے۔ **گلزار ابرار** میں ہے کہ

"(دورانِ سیاحت) آپ کے جسم پر شاہانہ لباس ہوتا اور ہمراہی صوفیوں کے جسم پر فوجی وردی۔ شان کے ساتھ علم اٹھائے' نقارہ بجاتے ہوئے طمطراق کے ساتھ سفر کرتے اور اہل جہاں کا تماشا کر کے فیض پہنچاتے۔ اور خود بھی فائدہ اٹھاتے۔ اثنائے سفر جہاں پہنچتے وہاں کے مشائخ کو پیغام پہنچاتے کہ ایک درویش نے اس خیال سے سیاحی اختیار کی ہے کہ اگر کلمۂ توحید کے معنی کوئی شخص اس سے بہتر جانتا ہے تو وہ مسافر کو تعلیم کر دے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو مقیم لوگوں کا بے مشقت فائدہ اس میں ہے کہ وہ گنج توحید مسافر سے حاصل کر لیں۔"

آپ کا سلسلہ اس طرح ہے۔

سلک اوّل : حضرت شیخ عبداللہ شطار عن حضرت محمد بن عارف فاریابی العشقی بن حضرت محمد عاشق بن خدا قلی عن حضرت شیخ خدا قلی ماور النہری عن حضرت شیخ ابوالحسن بن ابی یزید عشقی الخرقانی عن حضرت شیخ ابوالمظفر مولانا ترک الطوسی عن حضرت خواجہ اعرابی یزید عشقی عن حضرت خواجہ محمد

مغربی عن سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی عن حضرت امام جعفر صادق عن حضرت امام محمد باقر عن حضرت امام زین العابدین عن امام حسین عن حضرت علی مرتضیٰ عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلک دوئم: حضرت شیخ عبداللہ شطار تا حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سلک اول کی مانند آگے اس طرح ہے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی عن حضرت خواجہ حبیب عجمی عن حضرت خواجہ حسن بصری عن حضرت علی کرم اللہ وجہ عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سلسلہ میں ذکر و اشغال اور مراقبے کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے کہ منازل سلوک جلد طے ہو جاتے ہیں۔ نسبت عشق سلسلے کی نسبت خاص ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ شطار سے حضرت ابوالفیض قاضن علا شطاری نے خرقہ خلافت پہنا اور آپ کے ذریعہ اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت کثرت سے ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابوالفتح **ہدیتہ اللہ** پیر سرمست اور ان کے مرید و مجاز حضرت حاجی حمید الدین حضور سے شمالی بہار میں سلسلہ کو بڑا فروغ ہوا۔ اور حاجی حمید الدین حضور کے مرید بامراد ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت غوث گوالیاری شطاری کی ذات اقدس سے ہندوستان گیر سطح پر اس سلسلہ کی وسعت ہوئی۔ حضرت غوث گوالیاری کے بڑے بھائی حضرت شیخ پھول کا شہنشاہ جہانگیر بہت معتقد تھا۔ اس لئے ہندوستان کے مختلف مقامات میں خصوصیت کے ساتھ آگرہ، مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش، یوپی اور بہار میں اس کی وسعت اور شہرت بہت زیادہ ہوئی۔ حضرت شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی سے بھی اس سلسلے کو کافی فروغ ہوا۔

سلسلہ مداریہ: سلسلہ مداریہ حضرت شیخ بدیع الدین مدار ہرمزی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ حضرت موصوف کی عمر شریف ۳۹۶ برس کی تھی جسکی وجہہ سے یہ سلسلہ بہت کم واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تک پہنچتا ہے۔ تفصیل اس طرح ہے۔

حضرت بدیع الدین مدار عن حضرت شیخ طیفور شامی عن حضرت شیخ امین الدین شامی عن حضرت شیخ عبداللہ علمبردار نبوی عن حضرت سیدنا ابو بکر صدیق عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت شیخ بدیع الدین مدار رحمتہ اللہ علیہ نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور برابر سفر ہی میں رہے۔ اور یہی سلسلے کی شہریت کا سبب ہوا۔ کاظمین' بغداد' نجف اشرف ہوتے ہوئے آپ ہندوستان تشریف لائے اور براہ گجرات اجمیر آئے اور اجمیر سے کالپی اور جونپور ہوتے ہوئے کان پور پہنچے اور مکن پور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار مکن پور ہی میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلفاء سید ابوالحسن طیفور' سید اجمل جونپوری اور حضرت قاضی شہاب الدین پرکالہ آتش سے اس سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔ صوبہ بہار میں آپ کے خلفاء میں حضرت جمال الدین جان من جنتی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار اقدس ہلسہ ضلع نالندہ میں ہے۔ حضرت لودی شاہ دیوان اسلام پور ضلع نالندہ اور حضرت دیوان شاہ ارزاں' پٹنہ سلسلہ مداریہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

اس سلسلے کی تعلیم یہ ہے کہ اول اپنے آپ کو پہچان لو تو خدا کو پہچان لو گے۔ چنانچہ حضرت بدیع الدین مدار فرماتے ہیں کہ:

> "تم کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ تم کون ہو' کہاں سے آئے ہو' کہاں جانا ہے۔ اس عالم میں کس لئے آئے تھے اور خداوند تعالیٰ نے تم کو کس لئے پیدا کیا تھا۔ نیک بختی اور بدبختی کیا ہے۔ اول تم کو ان چیزوں سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اور تمہاری صفات بعض حیوانی ہیں بعض شیطانی بعض ملکی...... تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہاری اصل صفات کون ہیں یاد رکھو! کھانا' پینا' سونا' فربہ ہونا' غصہ کرنا یہ حیوانی صفات ہیں۔ مکر و فریب کرنا' فتنہ برپا کرنا یہ شیطانی صفات ہیں۔ اگر ان صفات کے تم تابع ہو گے تو حق تعالیٰ کی معرفت تم کو

حاصل نہیں ہو سکتی ہاں، اگر صفات ملکوتی تم حاصل کر لو گے تو کیا عجب کہ معرفت خداوندی سے تمہارا قلب روشن ہو جائے۔ تم کو کوشش کرنی چاہیئے کہ صفات حیوانی و شیطانی سے نکل کر صفات ملکوتی حاصل کرو...... دیکھو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں دو چیزوں سے بنایا ہے ایک بدن اور دوسری روح۔ روح کی دو قسمیں ہیں۔ حیوانی اور انسانی۔ روح حیوانی تمام جانوروں کو عنایت ہوتی ہے اور روح انسانی انسان کے ساتھ خاص ہے۔ جب تک روح انسانی سے کام نہ لو گے انسان نہیں ہو سکتے اور نہ معرفت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے۔"

(خم خانہ، تصوف صفحہ نمبر ۲۶۶ مرتبہ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب)

سلسلہ قلندریہ: سلسلہ قلندریہ حضرت نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دو ہی واسطے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت شیخ نجم الدین غوث الدہر قلندر عن حضرت میر سید خضر رومی عن حضرت شیخ عبدالعزیز علمبردار نبوی عن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سلسلہ میں شریعت و طریقت کی پابندی کے ساتھ حقیقت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ذکر و اشغال اور مراقبے سے سلوک کی منزلیں طے کی جاتی ہیں۔ اور اس طرح کہ حجابات کے پردے جلد چاک ہو جاتے ہیں۔ سلسلہ قلندریہ میں ایسی کشش ہے کہ تمام خانوادے اس سے فیض حاصل کرنا اپنے لئے حصول برکت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے کی اشاعت حضرت نجم الدین غوث الدہر رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و مجاز حضرت قطب الدین بینائے دل جونپوری رحمتہ اللہ علیہ سے یوپی میں بہت ہوئی۔ گیارہویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرت دیوان محمد رشید جونپوری کو حضرت قطب الدین بینائے دل جونپوری

کے پرپوتے حضرت عبدالقدوس قلندر سے اس سلسلے کا فیض پہنچا اور ان سے نہ صرف یوپی میں پھیلا بلکہ بہار کے مختلف خانوادوں میں پہنچا۔ حضرت میر فضل اللہ گوسائیں بارہ دری بہار شریف اور حضرت عماد الدین قلندر پھلواری شریف اس سلسلے کے بافیض بزرگ گزرے ہیں۔ منیر شریف میں حضرت حافظ بختیار نامدار مصری کے ذریعہ اس سلسلہ کا فیض پہنچا اور ان کے خلیفہ و مجاز حضرت اعظم علی بیکن منیری نے اپنے فردوسی مشرب میں رنگ قلندری کی آمیزش کر کے اسے اور زیادہ پر کشش واسطہ فیض بنایا۔ آج ہندوستان میں بالخصوص یوپی اور بہار میں سلسلہ قلندریہ مقبول عام ہے۔

سلسلہ خلوتیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ محمد خلوتی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ ان کو حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش سے فیض پہنچا اور ان کو حضرت عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ سے۔ اس سلسلے کی وسعت اور شہرت حضرت شیخ مظفر کشکانی نیشاپوری سے بہت زیادہ ہوئی لیکن یہ سلسلہ مخصوص حلقے میں محدود ہو کر رہ گیا۔

سلسلہ اویسیہ: سلسلہ اویسیہ امام العشاق حضرت خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمتہ والرضوان کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلہ میں عاشقانہ رنگ ہے اور اسکی نسبت بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ عرب و عجم میں ہر جگہ پھیلا۔ ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ ہر خانقاہ میں اس کی عظمت اور اہمیت تسلیم کی جاتی ہے۔

سلسلہ مغربیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ الکبیر شعیب المغربی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ آپ حضرت یعزا مسعود کے مرید و مجاز اور حضرت محی الدین عربی کے پیرومرشد ہیں۔ حضرت شیخ احمد غزالی اس سلسلے کے مشہور بزرگ ہیں اور حضرت شیخ الکبیر کے پیران پیر ہیں۔ حضرت احمد کبیر گنج بخش اس سلسلے کے بافیض بزرگ ہوئے۔ ان سے اس سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔

سلسلہ طیفوریہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ طیفور بسطامی رحمتہ اللہ علیہ

سے منسوب ہے۔ آپ بایزید بسطامی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ سلسلے کی تفصیل اس طرح ہے۔

حضرت شیخ طیفور بسطامی رحمتہ اللہ علیہ عن حضرت امام جعفر صادق عن امام محمد باقر عن حضرت امام زین العابدین عن حضرت امام حسین عن حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سلسلے کی ترویج واشاعت حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں بہت ہوئی۔ ہندوستان میں بھی یہ سلسلہ پہنچا۔ اور منیر شریف کے حضرت مبارک مصطفےٰ جلال منیری، حضرت نعمت اللہ قادری فیروزپوری سے فیضیاب ہوئے۔

اس سلسلے کی بنیاد سکر وغلبہ پر ہے یعنی عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار رہنے پر حضرت بایزید بسطامی کا قول ہے کہ عارف وہ ہے جو بجز وصف دیدار الٰہی کسی چیز پر راضی نہ ہو۔ اور یہ کہ نیکوں کی صحبت نیک کام کرنے سے بدرجہا بہتر ہے اور بروں کی صحبت برے کام کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور مہلک ہے۔

سلسلہ خضریہ: یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام سے منسوب ہے۔ ان سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فیض پایا اور حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہے۔

سلسلہ رفاعیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی سے منسوب ہے اور اس طرح ہے:

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی عن حضرت ابوالفضل کامخ عن ابو علی غلام بن ترکان عن حضرت ابو علی یار بازی عن حضرت مصلی العجمی عن حضرت شیخ ابو بکر شبلی عن حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی عن خواجہ سری سقطی عن خواجہ معروف کرخی الخ۔

اس سلسلے میں جذب و مستی بہت زیادہ ہے۔ سماع کا شغف بھی ہے

اور وجد کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ سلب امراض کا فن بھی ہے۔ اس سلسلے کے بزرگ عوام سے کنارہ کشی اختیار کر کے جنگل و صحرا میں حیوانات اور درندوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان سے خرق عادات بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اس سلسلے کا فروغ حجاز و شام میں زیادہ ہوا۔ ہندوستان میں اس سلسلے کے وابستگان مہاراشٹر اور گجرات میں پائے جاتے ہیں بلکہ بڑودہ میں اس سلسلہ کی خانقاہ بھی ہے۔ منیر شریف (بہار) میں یہ سلسلہ حضرت مبارک مصطفےٰ جلال منیری کو بواسطہ نعمت اللہ قادری ملا۔

سلسلہ طاوسیہ: اس سلسلے کے امام حضرت شیخ ابوالخیر اقبال الملقب من رسول الثقلین بطاؤس الحرمین ہیں۔ آپ حضرت شیخ ابوالحسن السیروانی کے مرید ہیں جو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و مجاز ہیں۔

سلسلہ منعمیہ المشہور مہیمینیہ: یہ سلسلہ حضرت شیخ ابوالفضائل بن عبدالمنعم سے منسوب ہے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوالفتح ہیں جو حضرت شیخ ابوسعید ابی الخیر کے مرید و مجاز ہیں۔ اس سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ ابونصر سراج (صاحبِ کتاب اللمع) ہیں جو حضرت جنید بغدادی کے مرید شیخ محمد مرتعش کے مرید و مجاز ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے۔

حضرت شیخ ابوالفضائل بن عبدالمنعم عن حضرت شیخ ابوالفتح عن حضرت شیخ ابوسعید بن ابی الخیر عن حضرت ابوالفضل بن ابی الحسن السرخسی عن حضرت شیخ ابونصر سراج عن حضرت شیخ محمد مرتعش عن حضرت **جنید بغدادی الخ**

مندرجہ بالا سطور میں سلاسل مختلفہ کی جو تفصیل پیش کی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کی شاخیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتداءً دو طرح پر نکلیں۔ ایک بواسطہ بزرگان اہلبیت اس طرح......

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان

سے حضرت امام حسین شہید کربلا کو' ان سے حضرت امام زین العابدین کو' ان سے حضرت امام جعفر صادق کو ان سے حضرت امام علی رضا کو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے بعد بزرگان اہلبیت پر مشتمل مذکورہ بالا چھ واسطے جن سلاسل میں ہیں انھیں "سلسلة الذهب" کہا جاتا ہے۔ اور جن سلاسل میں یہ چھ واسطے نہیں ہیں انھیں "سلسلہ نقیب الاشراف" سلسلہ خواہ جو بھی ہو منتہی ہوتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ فیضان روحانی کی ترسیل اصلاً آپ ہی سے ہوتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الغرض گلستان تصوف میں صوفیائے کرام کی مختلف شاخیں بہ الفاظ دیگر ان کے سلاسل مختلف گلہائے عطر بیز کی مانند ہیں جن کا رنگ قسم بہ قسم' خوشبو جدا جدا اور ساخت نوع بہ نوع ہے لیکن روح عطر ایک اور صرف ایک ہے "نفخت من روحی" سے عبارت۔ جس نے سمجھا' سمجھا' جس نے جانا' جانا!

انیس مرکزی سلال کی تفصیل مندرجہ بالا سطور میں بیان کی گئی۔ ان کے علاوہ ذیلی سلاسل بھی ہیں۔ انکی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔ جیسے سلسلہ فردوسیہ ایک مرکزی سلسلہ ہے اور فردوسیہ دولتیہ' فردوسیہ بلخیہ' فردوسیہ شعیبیہ وغیرہ ذیلی سلال یا سلسلہ فردوسیہ کی شاخیں ہیں' مرکزی حیثیت کی حامل نہیں ہیں۔ سلسلے کی کسی عظیم المرتبت شخصیت کے سبب شہرت ہو گئی۔ حضرت مخدوم شاہ دولت منیری قدس سرہ' عظیم المرتبت فردوسی بزرگ ہیں۔ ان کے واسطے سے جو سلسلۂ فردوسیہ جاری ہے اسے سلسلہ فردوسیہ دولتیہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے مرکزی سلاسل کی شاخوں کا معاملہ ہے۔

مذکورہ بالا سلاسل میں کچھ تو ایسے ہیں جن کی حیثیت صرف تاریخی ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ پرانی خانقاہوں میں کبھی کبھی کوئی معتقد اس میں داخل سلسلہ ہو جاتا ہے اور بعض سلسلے ایسے ہیں کہ کسی زمانے میں انکی بڑی شہرت تھی۔ لیکن اب باقی نہیں رہی' صرف خاندانی طور پر ان کی ترویج ہو رہی ہے۔ اور بعض سلسلے ایسے ہیں جن کی ہر زمانے اور ہر دور میں شہرت و مقبولیت رہی

ہے اور ابھی تک انکے ذریعہ رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا جارہا ہے۔ علمی سلاسل میں قادریہ، چشتیہ، فردوسیہ، ابوالعلائیہ، شطاریہ، زاہدیہ، قلندریہ اور سہروردیہ قابل ذکر ہیں۔

سلسلہ شطاریہ کو عہد جہانگیری میں بڑی مقبولیت رہی۔ سلسلہ زاہدیہ سلاطین شرقیہ کے عہد میں شہرت کا حامل رہا۔ اگرچہ آج بھی یوپی اور بہار کے ضلع سارن میں اس کی مقبولیت ہے۔ سلسلہ ابوالعلائیہ کی مقبولیت بارہویں صدی ہجری میں رہی، آج بھی اُن کی خانقاہیں فیوض و برکات کی حامل ہیں۔ غرضیکہ یہ تمام سلسلے آج بھی خانقاہوں میں محفوظ ہیں اور طالبین کو ان کی تعلیم دی جاتی ہے۔

سلاسل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ اشارہ کیا جاچکا ہے کہ ہر سلسلہ کا اپنا اپنا انداز فکر ہے۔ اور اس کی اپنی مخصوص کیفیتیں اور حالتیں ہیں۔ اسی اعتبار سے ان کی تعلیم کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ داخل سلسلہ ہونے کے اصول بھی الگ ہیں۔ کسی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے مختلف منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تو کسی میں داخل ہونے کے پہلے ہی ریاضت و مجاہدہ کی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ کسی سلسلے میں داخل ہونے کے لئے نہ صرف محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے بلکہ آزمائش سے بھی گزرنا پڑتا ہے اور بہت کدوکاوش کے بعد داخلہ ملتا ہے۔ بعض سلسلے ایسے بھی ہیں جن میں داخل ہونے کے لئے کچھ زیادہ سعی کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض سلسلے ایسے ہیں جن میں جذب و مستی کے سرور ہی سے مکیف ہو کر مقامات سلوک طے ہو جاتے ہیں۔ کچھ سلسلوں میں علم و عمل دونوں ہی سے متصف ہونا ضروری ہے ورنہ داخلہ نہیں ملتا۔ مختصر یہ کہ ہر سلسلہ کا اپنا اپنا انداز فکر اور جدا جدا طرز عمل ہے۔ جسے ایک لفظ میں مشرب کہا جاتا ہے۔ لیکن اختلاف مشرب کے باوجود سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ تقرب الٰہی، معرفت حق اور انسان دوستی، خلوص و محبت اور ایثار و قربانی ہر سلسلہ کے طریقۂ کار کی جان ہے۔ یہ اس لئے کہ سبھوں کا منبع و ملجا اور مرکز

رحمتہ اللعالمین خاتم النبین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ جنکی محبت اور پیروی بلااختلاف سب کے نزدیک فرض راہ ہے۔ تمام سلاسل اسی سرچشمہ واحد سے فیض اخذ کرتے ہیں اور اپنے وابستگان کو منتقل کرتے ہیں۔ رنگ برنگ نو بہ نو۔ یہ سلسلہ بلاانقطاع جاری ہے اور جاری رہے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے کہ اسی سے اخوت وانسانیت کو فروغ نصیب ہے اور رشد وہدایت کو قیام!

خانقاہ اوراس کا فیضان: دنیاوی کشاکش سے دور ایک ایسا گوشۂ سکون جہاں خلوص ومحبت اور اپنائیت کی فضا ہو' آپسی دشمنی اور نفرت ناپید ہو' امداد باہمی اور تعاون کا ماحول ہو' ایثار وقربانی کا جذبہ ہمہ دم کارفرما ہے' اللہ کی یاد کیلئے بہترین جگہ ہے۔ اسی کو خانقاہ کہتے ہیں اور اس میں مشغول بحق حضرات صوفی یادرویش کہے جاتے ہیں۔ خانقاہ کی ہر مشغولیت 'مشغولیٔ حق ہے۔ یادالٰہی ہو یااسکی تیاری یا پیش آمدہ تجربات پر گفتگو سب کا سب دائرہ مشغولیٔ حق کے اندر ہے۔ اور جہاں یہ سب ہو وہ جگہ معظم ہے' مکرم ہے' جائے نزول انوار الٰہی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

> "...... صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز ونیاز کی باتیں کیاکرتے ہیں۔ چنانچہ صوفی صافی اوّل حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کیلئے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی۔ یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ ...... خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی۔ اسی بناپر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں جن میں عبادتیں کی جاتیں اور اسرار الٰہی کی تعلیم ہوتی۔" (ترجمہ)
>
> (مکتوبات صدی' بائیسواں مکتوب)

جب دور مبارک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آیا تو آپ نے بھی دعوت الی الحق پر لبیک کہنے والے سعیدوں کو "**دار ارقم**" میں سمیٹ کر تعلیم و تربیت سے آراستہ اور اللہ کی یاد میں مشغول فرمانے کا اہتمام کیا۔ امت مسلمہ کے اندر معنوی اعتبار سے یہ پہلی خانقاہ تھی۔ ہجرت کے حکم کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا رُخ فرمایا۔ اہل مدینہ نے قدم چومے۔ مسجد نبوی تعمیر ہوئی اور اس میں ایک گوشہ معین کیا گیا جسے '**صفہ**' کہا جاتا تھا۔ اس گوشہ میں یا صفہ پر کم و بیش ستر حضرات قدسیہ مشغول بحق کیے گئے۔ امت کے درمیان یہ دوسری معنوی خانقاہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاباریاں '**خانقاہ صفہ**' کے آئینہ سے منعکس ہو کر مدینہ اور قرب و جوار پر پڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ مدینہ 'مدینہ منورہ بن گیا' انوار الٰہی سے منور شہر! یہاں اہل ایمان کے درمیان خلوص ہی خلوص تھا' محبت ہی محبت تھی۔ امداد باہمی اور ایثار و قربانی کے الفاظ کی پہنچ اپنے معنی تک ان حضرات کے طرز عمل سے ہوئی۔ اللہ کی یاد اور ذکر حق سے مدینہ کی فضا معمور ہو گئی۔ ایک شہر اپنے طول و عرض سمیت معنوی اعتبار سے خانقاہ بن گیا اور اس میں بسنے والے مشغول بحق رہنے لگے۔ اور یہ ہمارے اور سب کے آقا حضور سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تھا۔ یہ تیسری خانقاہ تھی امت کے درمیان جس نے دنیاوی کشاکش سے نبرد آزما رہتے ہوئے مشغول بحق ہونے کا انوکھا سلیقہ سکھایا۔ اب ضروری نہ رہا کہ مشغول بحق ہونے کے لئے ہنگاموں سے دور بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی جائے۔ اس خانقاہ کے تربیت یافتہ خلافت کا بار اٹھاتے رہے' میدان جہاد میں بے جھجک اپنی گردنیں کٹاتے رہے' کئی دنوں کے فاقہ کے باوجود بھوکوں کو کھلاتے رہے' خود پیاسے ہوتے ہوئے دوسرے پیاسوں کو پانی پلاتے رہے' اور دشمنوں کو یوں پکارتے رہے۔ "آؤ اے آدم کی اولاد! شیطان کے نرغے سے نکل آؤ' ہم آدمی تم آدمی' ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں' آؤ ہمارے پاس' آؤ اللہ کی طرف۔" یہ خانقاہ مکرم 'خانقاہ مدینہ' اپنی نوعیت

کی ایک ہی خانقاہ تھی جس کا فیضان کم و بیش ساری دنیاء کو پہنچا اور مسلسل پہنچ رہا ہے۔ مگر ع "دیکھنے کو حقیقت نظر چاہیئے۔"

پھر ہوا یوں کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی پوری ہوئی۔ خلافت راشدہ ختم ہو گئی' ملوکیت آ گئی۔ روحانی فضا مادیت کے غبار سے آلودہ ہو گئی۔ سلاطین جابر کے طرز عمل سے معاشرہ بد۔ کشاکش معاشرہ کے اندر گھس آئی۔ ہنگامہ آرائی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ خلوص و محبت ایثار و قربانی اور امداد باہمی کی باتیں کہانیاں بن گئیں۔ لوگ ایسے پر سکون گوشے کے لئے ترس گئے جہاں طمانیت قلب کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہوا جا سکے۔ یہ سب کچھ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد سو سال کے اندر ہو گیا۔ ایسے میں چند اہل دل صاحبان نظر نے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا۔ مشغول بحق ہونے کے لئے ایک پر سکونِ گوشہ مہیا کرنے کی کوشش کی۔ اور 'خانقاہ مدینہ' کے صفہ 'مسجد نبوی کی ہلکی پر چھائیں کے طور پر شام کے مقام رملہ میں ایک چھوٹی سی خانقاہ قائم کرنے کی حضرت ابو ہاشم کوفی رحمتہ اللہ علیہ نے ہمت کی اور طوفان کی زد پر چراغ جلا دیا۔ معنوی خانقاہ نے صوری شکل اختیار کی اور تاریخ اسلام کے صفحات کو 'خانقاہ' کے لفظ نے پہلی مرتبہ رونق بخشی۔ یہ واقعہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔ **خانقاہ** رملہ کے قیام کے معا بعد حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ قائم ہوئی یہ وہی خانقاہ ہے جس میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ عاملان حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر روپوش ہوئے تھے۔ اوران ملعونٰ نے آپکا تعاقب کرتے ہوئے **خانقاہ** کے اندر گھس آنے کی جسارت کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اور انکی نظر بد حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت مخدوم علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اس واقعہ پر "**کشف المحجوب**" میں اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"مشائخ طریقت میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ حجاج کے ظلم سے بھاگ کر حضرت حبیب

عجمی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تشریف لائے اور حجاج کے سپاہی تعاقب کرتے ہوئے اندر گھس آئے تو سپاہیوں نے پوچھا اے حبیب! تم نے حسن بصری کو کہیں دیکھا ہے۔ فرمایا 'ہاں! سپاہیوں نے پوچھا کس جگہ ہے؟ فرمایا 'میرے حجرے میں ہیں۔ وہ آپکے حجرے میں گھس گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ سپاہیوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے مذاق کیا ہے۔ اس پر انہوں نے درشت کلامی کے ساتھ پوچھاچھ بتاؤ کہاں ہیں اس پر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سچ کہتا ہوں وہ میرے حجرے میں ہیں۔ سپاہی دو تین بار اندر گئے مگر وہ حضرت حسن بصری کو نہ دیکھ سکے۔ بالآخر وہ چلے گئے جب حضرت حسن بصری حجرے سے باہر تشریف لائے تو فرمایا اے حبیب میں سمجھ گیا کہ حق تعالیٰ نے آپکی برکت سے ان ظالموں کے پنجہ سے محفوظ رکھا۔ لیکن اس کی وجہ بتایئے کہ آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ اس حجرہ میں ہیں۔ حضرت حبیب عجمی نے جواب دیا۔ ''اے مرشد برحق! اللہ تعالیٰ نے آپکو میری برکت کی وجہ سے ظاہر نہیں کیا بلکہ سچ بولنے کی وجہ سے خدا نے ان سے مخفی رکھا۔ اگر جھوٹ کہتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دونوں کو رسوا کرتا۔'' (ترجمہ)

(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۱۴۱)

حضرت **حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ** کا سن وفات ۱۱۰ھ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں خانقاہیں دوسری صدی ہجری کی پہلی دہائی میں قائم ہو چکی تھیں۔ انکے بعد تو ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہاں تک کہ خانقاہوں کا قیام اور ان کا وجود امت کی روحانی بقا کے لئے ایک ناگزیر ضرورت بن گیا۔ ساتھ ہی مخالفت بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ '**مولویت**' نے وار پر وار کیئے لیکن خانقاہیت کا کچھ نہ بگڑا۔ بلکہ خلوص و محبت کی بوئے مشام

پرور نے مخالف کیمپ کے سپاہیوں کو توڑ کر خانقاہی صف میں لا کھڑا کیا۔

'مناقب الاصفیا' میں ہے کہ:

> "حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ تصوف اور صوفیوں کے سخت مخالف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جادو بیانی عطا کی تھی۔ وعظ کہتے اور اس میں صوفیوں کو برا بھلا کہنا نہ بھولتے۔ ایک مرتبہ ان کا وعظ اس مسجد میں تھا جو حضرت نجم الدین کبریٰ ولی تراش قدس سرہٗ کی رہائش گاہ کے قریب ہی تھی۔ حضرت خواجہ کو خبر ہوئی اور آپ نے وعظ سننے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مریدوں نے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ یہ مولوی صوفیاء کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن آپ نہ مانے اور وعظ سننے کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ وعظ شروع ہو چکا تھا جیسے ہی واعظ نے حضرت خواجہ کو دیکھا زبان میں اور زیادہ شوخی آگئی۔ لیکن خواجہ نے پروانہ کی اور واعظ کے قریب جا بیٹھے اور داد تحسین دیتے رہے۔ جب وعظ ختم ہو گیا تو خواجہ واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جب جوتے رکھنے کی جگہ پہنچے تو فرمایا۔ 'ابھی تک وہ صوفی نہیں آیا' حضرت خواجہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی نے مسجد کے اندر ایک نعرہ مارا اور دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت خواجہ نجم الدین کبری ولی تراش قدس سرہٗ کے قدموں پر گر پڑے۔"
>
> **(مناقب الاصفیا)**

مولویت اور خانقاہیت کی لاگ ڈانٹ بڑی پرانی ہے۔ مولویت کیا ہے؟ ہم چنیں دیگرے نیست کا سودا سر میں سمائے رکھنا' زبان درازی میں طاق ہونا' بحث و مناظرہ کا خوگر ہونا' اپنی بات کی پیچ کے لئے ہر درست و نادرست طریقہ استعمال کرنا' دین کی راہ سے دنیا کمانا' مسلمانوں کو گروہ بازی اور آپسی سر پھٹول کی ترغیب دینا' غیر تو غیر ہی ہیں' اپنوں کو بھی غیر بنانا' قرآن و حدیث کی ایسی

تاویل کرنا کہ اپنا الو سیدھا ہوتا رہے' مولویت ہے۔ اس کے مقابلے میں خود کو بندۂ عاجز و بیچارا سمجھنا' زبان کو قابو میں رکھنا' بحث و مناظرہ سے گریز اختیار کرنا' دین کو دنیا پر فوقیت دینا' اتنا ہی دنیاء پر قناعت کرنا جو اشد ضروری ہو' مسلمانوں کو فرقہ بندی سے باز رکھنے کی کوشش کرنا اور باہمی اتحاد کی تلقین کرنا' دکھے دلوں کو سکون پہنچانا' بے لوث خِدمت سے لوگوں کے کام آنا' تمام انسانوں کو اولاد آدم سمجھنا اور آدمیت کے رشتہ مشترک کو استوار رکھنا' غیروں کو اپنا بنانا' اور اپنوں کو قریب تر کرنا' خانقاہیت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ربط اور اسکے بندوں سے درست تعلق **خانقاھیت** کی روح ہے جس کے مظاہر ہر خانقاہی سرگرمی میں صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالحق نے مولوی اور صوفی کا فرق بیان کرتے ہوئے بڑے ہی دلکش انداز میں **مولویت اور خانقاھیت** پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> "مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ کو دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار' اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈھ نکالتا ہے' وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے' وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمیت' وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اسکا شیوہ درگزر کرنا' وہ خود ستائی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے' وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے۔"

(اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ' مصنفہ ڈاکٹر عبدالحق صفحہ نمبر ۴۔۳)

الغرض صوفی کی شخصیت میں کشش اور دلآویزی کے ہزار رنگ اولاً عطائے خداوندی اور ثانیاً **خانقاھی** فیضان کا نتیجہ تھی۔ خانقاہ محض چار

دیواریں سے گھرے ایک مکان کا نام نہ تھا۔ جس میں دنیاوی کشاکش سے شکست کھا کر بھاگے ہوئے چند بیکس نفوس پناہ گزیں ہوں بلکہ اس احاطے میں تسکین دل شکستہ، تطہیر قلب و نظر، تدریس اخلاق فاضلہ، اصلاح ظاہر و باطن، تعمیر شخصیت، پرورش ذوق شعر و ادب، غرض کہ وہ سب کچھ تھا جو انسانی زندگی میں بطور معیار مطلوب ہے۔ **خانقاہ** کی روح پرور سرگرمیوں سے نہ صرف احاطہ **خانقاہ** کے اندر رہا ہی تھی بلکہ باہر کی دنیاء بھی فیضیاب تھی۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے جب مولویت نے سلاطین کے اقتدار کا جوا اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور سلاطین اور ان کے کارندوں کی دلجوئی اور اطاعت گزاری نام نہاد علماء کا شعار بن گیا تو مسلمانوں میں بددلی پیدا ہوئی۔ لوگوں کا ایک طبقہ حوادث زمانہ سے تنگ آکر ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں خلوص و محبت سے کوئی انھیں اپنا کہہ سکے۔ دلوں کی کثافت دور کر کے اسے انوار الٰہیہ سے منور کر سکے اور انھیں رشد و ہدایت کی راہ دکھا سکے بلکہ اس پر چلا سکے۔ اور اس میں کوئی دنیوی غرض پوشیدہ نہ ہو۔ ایسی جگہ **خانقاهیں** تھیں، سیاست بازی اور فتنہ گری سے محفوظ **خانقاهیں**۔ ان **خانقاهوں** سے لوگوں کی یہ ضرورت بدرجہ اتم پوری ہوئی۔ رشد و ہدایت کی راہ دکھائی گئی اور اس پر چلایا گیا۔ تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کے مراحل طے کرائے گئے اور وصول الی اللہ کی منزل تک پہنچانے کی سعی کی گئی۔ **خانقاہ** کا یہ پہلا فیضان عام تھا جو لوگوں کو اصلاح باطن کی صورت میں نصیب ہوا۔

دور انتشار میں لوگ جب جماعتی زندگی کے فوائد سے محروم ہو گئے تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان نے علمائے سو کی شکل میں انہیں فرقہ بازی کی لعنت میں مبتلا کر دیا۔ ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں کا گلا کاٹنے پر مستعد ہو گئے۔ معاشرہ مزید افراتفری کا شکار ہوا۔ ان حالات میں اہل **خانقاہ** نے فرقہ بازی سے دور رہنے کی پرزور آواز اٹھائی بلکہ نظری اختلاف کے باوجود کس طرح متحد رہا جاتا ہے اس کا عملی درس دیا۔ اور یہ کہا کہ

طریقہ کار کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا اگر مقصد ایک ہو۔ مختلف طریقہ رکھنے والے مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وابستگان خانقاہ کو اختلاف مشرب کے باوجود کبھی ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا گیا۔ نہ کبھی کوئی قادری کسی نقشبندی سے لڑا نہ کسی چشتی نے کسی سہروردی کا سر پھوڑا۔ بلکہ سبھوں نے ایک دوسرے کے تجربات و مشاہدات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اختلاف کے باوجود متحد رہنے کی عملی صورت فراہم کرنا خانقاہ کا دوسرا فیضان تھا جس سے لوگ بقدر فہم متمتع ہوئے۔

فرقہ باز مولوی نے جب کاغذ اور قلم کا گھناؤنا استعمال کرتے ہوئے عوام الناس کے درمیان ایسی کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے جس سے عقیدے میں فساد ذہن و خیال میں انتشار اور قلب میں بے چینی پیدا ہو تو اہل خانقاہ نے بھی قلم سنبھالا اور تصنیف و تالیف کا میدان الفاظ کے مہکتے پھولوں سے گلزار بن گیا۔ عقیدے درست ہوئے' انتشار ذہنی دور ہوا اور قلبی سکون میسر آیا۔ **خانقاہ کا یہ تیسرا فیضان تھا۔**

خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد جب امرا ٔو سلاطین کے ساتھ ساتھ مولوی حضرات بھی دنیا بنانے اور سنوارنے میں لگ گئے اور یہ بات طاق نسیاں پر رکھ دی گئی کہ بنی نوع انسان تک دعوت حق پہچانا بھی امت مسلمہ کا فریضہ ہے تو خانقاہ کے ان بوریہ نشینوں نے دعوت و تبلیغ کے علم نبوی کو اٹھایا اور تمام تر بے سر و سامانی کے باوجود ہر طرح کی صعوبت اٹھاتے ہوئے دنیاء کے دور دراز کونے تک جا پہنچے۔ لوگوں تک اخلاص کے ساتھ جب حق پہنچا تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ آج کرۂ ارضی پر مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جو نظر آ رہی ہے وہ بیشتر اہل **خانقاہ** کی بے لوث کوششوں کا نتیجہ ہے۔ **بلاشبہ خانقاہ کا یہ چوتھا اور اہم ترین فیضان ہے۔**

مسلم آبادی میں مدرسہ اور مسجد کی جو اہمیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مسجد اللہ کی عبادت کیلئے اور مدرسہ اللہ کی عبادت کیوں اور کیسے یہ

بتانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ گویا مسجد اور مدرسہ مسلم آبادی کے دل و جگر ہیں۔ خانقاہ کے ساتھ ہی مسجد اور مدرسہ کے قیام کا تصور بھی جڑا ہوا ہے۔ مسلم آبادی کی اس اہم ضرورت کی تکمیل بہت کچھ اہل خانقاہ کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ مولویوں نے بھی یہ کام کیا ہے لیکن محاذ آرائی کے لئے' اکھاڑے بازی کے لئے' فرقہ بندی کا زہر پھیلانے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

ان خانقاہوں نے ایک بہت بڑا رول یہ بھی ادا کیا ہے کہ ان میں معارف و سلوک کے علاوہ فلسفہ و حکمت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حدیث و تفاسیر کی کتابوں پر مذاکرۂ علمی بھی ہوتا تھا۔ وقت کے تقاضے پر کتب و رسائل بھی تصنیف کئے جاتے تھے۔ پرورش شعر و ادب کے ذریعہ ذوق سلیم کی آبیاری بھی کی جاتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ان خانقاہوں میں حصول برکت کی خاطر بچوں کی رسم بسم اللہ بھی ادا ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت کچھ ہوتا تھا جس سے معاشرہ کے خد و خال پر پڑنے والے گرد و غبار صاف ہوتے رہتے تھے۔ بلاشبہ یہ کہنا صد فیصد درست ہے کہ یہ خانقاہیں تہذیب کے فعال مراکز تھے۔

خدمت خلق ان خانقاہوں کا ایک بڑا پر کشش میدان رہا ہے۔ دعاء و تعویذ کے ذریعہ لوگوں کی دینی و دنیاوی ضرورتیں پوری کرنا' اس بہانے آنے والوں کو اصلاح احوال کی طرف مائل کرنا' ان کے درمیان پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے کی سعی کرنا' لوگوں کی بگڑی بنانا' مسافروں کو ٹھکانا فراہم کرنا' ہر آنے جانے والے کے ساتھ خلوص و محبت اور شفقت کا برتاؤ کرنا' الغرض کیا کیا دل چھو لینے والی سرگرمیاں نہ تھیں جو خانقاہ کی چار دیواری کے اندر نہ ہوتی تھیں ؎

اے کاش وہی لے ہو وہی گیت' وہی بول
ترسے ہیں مرے کان سنا میت وہی بول

موجودہ خانقاہیں بہ استثنار چند زبوں حالی کا شکار ہیں۔ اللہ رحم فرمائے اور ان میں پھر سے وہی روح پھونک دے جس کیلئے یہ مشہور تھیں۔
المختصر: گزشتہ صفحات میں تصوف کے موضوع پر جو گفتگو ہوئی وہ نہ تو مکمل ہے نہ جامع۔ نہ ہی تمام صوفیانہ سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے نہ جملہ کتب تصوف کا ذکر۔ بس چند ابھرے ہوئے نقوش کو سامنے رکھ کر ایک سرسری جائزہ اس کتاب کے قارئین کے سامنے اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ آئندہ اوراق میں مشائخین کرام کا جو تذکرہ کیا جارہا ہے اسے پڑھنے سے پہلے ذہن میں اس بات کا ہلکا سا خاکہ آجائے کہ یہ حضرات جس تصوف کے حامل رہے ہیں وہ در حقیقت کیا ہے' اور اس پر زمانے کے الٹ پھیر نے کیا اثرات مرتب کئے۔ آج تصوف جو بیچارۂ محض نظر آرہا ہے اس نے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں اور آئندہ اس "خانقاہی نظام" سے کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ اللہ امیدیں برلائے کہ وہی ایسا کرسکتا ہے۔

✤✤✤✤✤✤✤

ہندوستان میں صوفیائے کرام کی آمد

امت کے درمیان خلافت راشدہ جب تک موجود رہی معاشرہ سکھ چین اور امن و سکون کا گہوارہ رہا۔ کاروانِ زندگی بے خوف و خطر صحیح سمت میں چلتا رہا۔ زندگی کے تمام شعبوں میں ہماہمی رہی۔ تعلیم و تعلم، معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت، عبادت و ریاضت، رشد و ہدایت، تبلیغ و اشاعت دین، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب غرضیکہ انفرادی و اجتماعی جتنے امور ہیں سب کے سب بحسن و خوبی انجام دئے جاتے رہے۔ لیکن جیسے ہی یہ مرکزی ادارہ ٹوٹا، سکھ چین اور امن و سکون رخصت ہوگیا۔ ہوس پرستی اور نفسانیت عام ہوگئی۔ معاشرہ افراتفری کا شکار ہوگیا۔ لوگ اطمینان سے اللہ کی عبادت کرنے کو ترس گئے۔ ان حالات میں امت کا وہ طبقہ جو ہمہ دم اللہ کی یاد میں مشغول رہتا تھا، زندگی کے عام دھارے سے خود کو الگ تھلگ محسوس کرنے لگا۔ اور دوسرے بھی انھیں کچھ اور ہی مخلوق سمجھنے لگے۔ مشہور روایت ہے کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ صحابہ کیسے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ ایسے ہی تھے کہ اگر تم انھیں دیکھ لیتے تو ان کو پاگل سمجھتے اور وہ تمھیں دیکھ لیتے تو یہ کہتے کہ یہ کافروں میں سے ہے۔ صورت حال جب ایسی ہو تو اہل اللہ کیلئے گوشہ گیر ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور انکی طرح کے دوسرے حضرات گوشہ نشین ہوگئے۔ لیکن گوشہ نشینی کب تک؟ حالات کے تقاضے کا ردعمل ہوا، خانقاہیں قائم ہوئیں اور رشد و ہدایت کے ٹوٹے ہوئے تار پھر سے جڑ گئے۔ تبلیغ و اشاعت دین کا کام

حکومت کی سرپرستی سے بے نیاز ہو کر انفرادی سطح پر انجام دیا جانے لگا۔ صوفیائے کرام نے اس کے لئے تگ و دو کی اور دنیاء کے دور دراز علاقوں میں پہنچے۔ ان کا مشن تھا خدا پرستی' نیک چلنی' انسان دوستی' مساوات' بھائی چارا اور دونوں جہان کا سکھ چین۔ حق کی دعوت جب خلوص و محبت کے ساتھ دی گئی اور لوگوں نے جب اس دعوت کو داعیوں کی سادہ اور بے ریاز ندگی میں رچا بسا پایا تو بلا تامل اسے قبول کیا اور جوق در جوق آگے بڑھ کر قبول کیا۔ اشاعت دین کا سلسلہ جو خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد رُک سا گیا تھا' پھر سے چل پڑا۔

صوفیائے کرام بلاد عرب سے نکلے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں پھیل گئے۔ بغداد' شام' عراق' روسی ترکستان' نیشاپور' ایران اور افغانستان کے خطے ان کی قدم بوسی سے یکے بعد دیگرے مشرف ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری میں انکے قدم ہندوستان کی طرف بھی بڑھے۔ پہلے سندھ اور پھر راجستھان' دہلی' یوپی' کشمیر' بہار اور بنگال نیز جنوبی ہند کے متعدد علاقوں میں رشد و ہدایت کے مراکز قائم ہوئے۔ ان کی مقبولیت اور شہرت اس قدر بڑھی کہ ان مراکز یا خانقاہوں کے گرد بھیڑ اکٹھا رہنے لگی۔ لوگ آتے' خدا پرستی' نیک چلنی اور انسان دوستی کا درس لیتے اور دامن مراد بھر کر واپس ہوتے۔ ان خانقاہوں اور تکیوں سے رشد و ہدایت کی پھوٹنے والی کرن روز بروز زیادہ سے زیادہ تابناک ہوتی گئی۔ پہلے تو علاقہ کے راجاؤں نے شدت کے ساتھ مخالفت کی لیکن جب انہوں نے عوام کی عقیدت میں پختگی اور صوفیوں کے طرز عمل میں اخلاص و محبت دیکھا تو پھر وہ خود بھی دل کے ہاتھوں اسی آستانے پر جبین عقیدت جھکانے پر مجبور ہوئے ؎

ع ‌تری معصوم آنکھوں نے خریدا اک زمانے کو

تاریخی حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ صوفیائے کرام میں سب سے پہلے حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لائے۔ آپ حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے اور اپنے

والد بزرگوار ہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ 'سفینتہ الاولیا' میں ہے کہ

"غزوہ سومنات میں محمود سبکتگین کے ہمراہ ستر سال کی عمر میں محمود کی امداد کیلئے بحکم الہی گئے تھے۔ آپ کی برکت قدوم سے سومنات فتح ہوا۔ آپ کی وفات ۴۱۱ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مقام چشت میں ہے۔"

(سفینتہ الاولیاء مصنفہ داراشکوہ صفحہ نمبر ۱۱۵)

نیز 'نفحات الانس' میں تحریر ہے کہ:

"جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد چشتی کو اشارہ غیبی ہوا کہ اس کی مدد کے لئے جائیں وہ ستر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور بہ نفس نفیس جہاد میں شرکت فرمائی۔"

(نفحات الانس مصنفہ عبدالرحمٰن جامیؒ صفحہ نمبر ۲۲۳)

سلطان محمود غزنوی نے اپنی فتوحات کا سکہ ۴۱۶ھ ہی میں جمالیا تھا۔ لیکن اسکے اثرات دیرپا ثابت نہ ہوسکے البتہ مسلمانوں بالخصوص صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ چنانچہ حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کے اشارے پر لاہور تشریف لائے۔ اس وقت وہاں کا حاکم مسعود بن سلطان محمود غزنوی (۴۳۱ھ) تھا۔ آپ کے وردو مسعود نے لاہور کی قسمت بدل دی۔ ہزاروں گم گشتگان بادیۂ ضلالت ہدایت یاب ہوئے اور نہ جانے کتنے مشرکوں کے دلوں سے کفر و شرک کا زنگ دور ہوا۔ آپ نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی اور لاہور ہی میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ علی ہجویری کے ہمراہ آپ کے رفیق اور ہم وطن حضرت ابوسعید ہجویری بھی لاہور تشریف لائے تھے۔ **'کشف المحجوب'** جیسی مشہور زمانہ کتاب حضرت شیخ علی ہجویری نے اپنے اسی رفیق کی خواہش پر تصنیف فرمائی۔ شیخ محمد اکرام 'آب کوثر' میں تحریر کرتے ہیں کہ "یہ کتاب

(**کشف المحجوب**) آپ نے اپنے رفیق ابو سعید ہجویری کی خواہش پر جو آپ کے ساتھ غزنی چھوڑ کر لاہور آئے تھے۔ لکھی......"

(آبِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرم)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ '**فوائد الفوائد**' میں ہے کہ

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ دنوں کے بعد خواجہ علی ہجویری سے ان کے پیر نے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں۔ لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ۔ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر نکالا گیا۔"

(فوائد الفوائد ملفوظ حضرت نظام الدین اولیا)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری کی آمد سے پہلے ان کے پیر بھائی حضرت شیخ حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لا چکے تھے۔ اور یہاں رشد وہدایت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جب ان کا وقت آخر قریب آیا تو ان کے پیر نے پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کرنے کیلئے حضرت شیخ علی ہجویری کو لاہور جانے کا حکم دیا تاکہ رشد وہدایت کا سلسلہ جو شروع ہو چکا تھا معرض التوائی میں نہ پڑ جائے۔

مذکورہ بالا تین حضرات شیخ حسین زنجانی، حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت ابو سعید ہجویری کی لاہور آمد اور وہاں انکی موجودگی پانچویں صدی ہجری میں تاریخی طور پر ثابت ہے۔ علاوہ ازیں فتح سومنات کا واقعہ چوتھی صدی کے اواخر میں پیش آیا۔ اور اس جہاد میں حضرت ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ بہ نفس نفیس شامل تھے۔ واقعات کی ان کڑیوں کو ملانے کے بعد بلا خوف

تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ چوتھی صدی کے اواخر سے شروع ہوا اور جیسے جیسے یہاں کی زمین ہموار ہوتی گئی یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے سلطان محمود غزنوی کی فتوحات نے مسلمانوں بالخصوص صوفیائے کرام کی آمد کیلئے ہندوستان کا دروازہ کھول دیا۔ سر برآوردہ شخصیات کے ذکر نے تاریخ کے صفحات میں جگہ پائی اور استتار پسند حضرات نے اپنا کام تو کیا لیکن گم نام رہ گئے۔ مقامی طور پر ان کا اتنا ذکر البتہ باقی رہا کہ یہ مزار انجان پیر کا ہے اور بس۔ تاریخ میں بزرگوں کا جو ذکر ملتا ہے اس میں بعد زمانی کی یہی وجہ ہے۔ حالانکہ بزرگوں کی آمد مسلسل ہوتی رہی لیکن تاریخ میں ذکر معدودے چند خاص لوگوں کا ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ علی ہجویری کی آمد کے بعد تقریباً سو سال تک تاریخ کے صفحات بزرگوں کے ذکر سے خالی ہیں۔ حضرت شیخ علی ہجویری کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ اسکے ایک سو گیارہ سال بعد ۵۷۶ھ میں تاریخ نے حضرت امام تاج فقیہہ اور انکے تین صاحبزادوں حضرت اسرائیل، حضرت اسمٰعیل اور حضرت عبدالعزیز کا تعارف کرایا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بزرگ مسمی حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ صوبہ بہار کے قصبہ منیر شریف میں مقیم تھے۔ وہ کب تشریف لائے اور کس سلسلہ میں اس کا ٹھیک پتہ نہیں۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ۵۷۶ھ میں وہ منیر شریف میں موجود تھے۔ وہاں کے راجا سے کچھ چپقلش ہو گئی اور انھوں نے بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر حضرت امام تاج فقیہہ مجاہدین کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ منیر پر حملہ کیا۔ راجا منیر یا تو مارا گیا یا فرار ہو گیا اور تمام علاقہ اہل اسلام کے زیر

تصرف آگیا۔ حضرت امام تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں کا انتظام وانصرام اپنے صاحبزادوں کے حوالے کیا اور خود وطن واپس ہوگئے۔ آپ کے اخلاف نے رشد وہدایت کی شمع جلائی اور جلائے رکھی۔ اس کی ضیاباریوں کا نور آج تک پھیلا ہوا ہے۔

(ماخوذ از **'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت'**
مصنفہ سید شاہ فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ)

تاج فقیہی قافلہ چھٹی صدی ہجری کے آخر ربع میں ہندوستان (صوبہ بہار) پہنچا۔ اس دوران سیاسی صورتحال میں بھی تبدیلی آئی۔ معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری نے سلطنت غزنی کے آخری سلطان کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس کی نظریں ہندوستان کی طرف اٹھنے لگیں۔ چنانچہ اس نے لشکر کشی کیا۔ اس وقت دہلی اور اجمیر کا فرمانروا رائے پتھورا عرف پرتھوی راج تھا۔ اس نے شہاب الدین غوری کی پیش قدمی روک دی۔ غوری دوسری بار ۵۸۸ھ میں حملہ آور ہوا۔ اور اسے مکمل فتح حاصل ہوئی۔ اسی عہد میں سلسلہ چشتیہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمتہ اللہ علیہ وارد ہند ہوئے۔ اور انھوں نے اجمیر کو مستقر بناکر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ رائے پتھورا پر شہاب الدین غوری کی مکمل فتح آپ ہی کی روحانی امداد اور دعاؤں کی رہین منت تھی۔

حضرت خواجہ کے علاوہ اس عہد میں اور بھی چشتی بزرگ ہندوستان آئے۔ ان میں حضرت شیخ محمد ترک نارنولی بھی ہیں۔ آپ کو بیعت حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ سے اور اجازت وخلافت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ اپنے وطن ترکستان سے ہندوستان آکر نارنول میں سکونت پذیر ہوگئے۔ ۶۴۲ھ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کا مزار نارنول میں ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے پیر ومرشد کے

ہمراہ تشریف لائے۔ چندے اجمیر میں قیام فرمایا۔ پھر حضرت خواجہ کے حکم پر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے اور بڑے وسیع پیمانے پر دار رشد وہدایت دی۔
ناگور اور اطراف ناگور میں حضرت صوفی حمید الدین ناگوری مرید و خلیفہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے رشد وہدایت کی شمع جلائی حضرت خواجہ کی روشن کی ہوئی شمع ہدایت کی لو ان کے جانشین حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے تیز تر کر دیا۔ اور ان کے جانشین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور انکے خلفاء حضرت قطب جمال ہانسوی' حضرت علی احمد صابر اور حضرت نظام الدین اولیار حمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ کی وسعت ہندوستان گیر سطح پر ہوئی۔ یہ حضرات بذات خود تو ملکی تھے یعنی ان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھے لیکن ان کا خاندان باہر سے آکر ہندوستان میں فروکش ہوا تھا۔ چشتی بزرگوں میں حضرت خواجہ غریب نواز' حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت ترک نارنولی باہر سے آکر ہندوستان میں مقیم ہوئے۔ نیز حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ تلاش پیر میں بادشاہی چھوڑ کر سمنان سے ہندوستان تشریف لائے اور حضرت علاء الحق پنڈوی رحمتہ اللہ علیہ سے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ کچھوچھہ میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ حضرت برہان الدین غریب کے توسط سے چشتی فیضان حیدر آباد دکن پہنچا اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی جانشین حضرت نظام الدین اولیاء نے قلب ہند میں ضیاباری کی۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید و خلیفہ اور جانشین حضرت میر سید محمد بندہ نواز گیسو دراز نے گلبر گہ کو مستقر بنایا۔ حضرت نظام الدین اولیار حمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ حضرت اخی سراج رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے مرید و خلیفہ حضرت علاؤالحق پنڈوی رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ بنگال کے علاقہ میں چشتی فیضان پھیلا۔ اور ان کے خلفاء حضرت نور قطب عالم پنڈوی اور حضرت

مخدوم اشرف جہانگیر کی ذات سے بنگال کے علاوہ بہار اور یوپی کے علاقے فیضیاب ہوئے۔ الغرض قریہ چشت کا نورانی پودا ہندوستان کی سرزمین میں خوب پھولا اور پھلا۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی آمد گوکہ پہلے ہوئی لیکن اسی دوران سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں کی تشریف آوری بھی شروع ہوگئی۔ چنانچہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری جو پیدائش کے اعتبار سے تھے تو ملکی لیکن تلاش پیر میں ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہوکر سلطان التمش کے زمانے میں دہلی آئے اور حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ قیام فرمایا اور اپنے سلسلہ کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل رہے۔

سلسلہ سہروردیہ کے عظیم المرتبت بافیض بزرگ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جن کے فیوض وبرکات سے ہندوستان بالخصوص خطہ پنجاب فیض یاب ہوا۔ آپ بھی بہ اعتبار پیدائش ہندی تھے (۵۶۵ھ میں آپ کی ولادت ملتان میں ہوئی) لیکن حصول تعلیم کے لئے آپ نے غیر ممالک کا سفر اختیار کیا اور ایک عرصہ تک بلاد اسلامیہ کی سیر کرتے رہے۔ بالآخر بغداد پہنچ کر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ ' سے بیعت ہوئے اور ستر دنوں تک پیر ومرشد کی خدمت کی اور خرقہ خلافت حاصل کر کے اپنے پیر کے حکم کے تحت مکہ معظمہ ' مدینہ منورہ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے وطن واپس لوٹے اور سلسلہ سہروردیہ کی بڑی پیمانے پر اشاعت کی۔ آپکے بعد آپ کے پوتے حضرت ابوالفتح رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ نے رشد وہدایت کے فرائض کو بحسن خوبی انجام دیا۔

حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت مشہور سہروردی بزرگ کی مساعی پیہم سے ضلالت وگمرہی کا سد باب اور بدعات کا قلمع قمع ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت ملتان کے قریب اوچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ آپ

کے جد امجد حضرت سید جلال الدین سرخ بخارا سے ہندوستان تشریف لائے اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سید احمد کبیر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پدر بزرگوار تھے۔ اور ان کے پیر بیعت بھی تھے۔ بعد میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے حضرت ابوالفتح رکن الدین کے دست حق پرست پر بیعت ارشاد کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی ذات سے سلسلہ سہروردیہ کو بڑا فروغ ہوا۔

حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے ایک اور خلیفہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ہیں۔ آپ کا وطن تبریز تھا۔ اور آپ حضرت شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہمراہ تشریف لائے اور بدایوں ہوتے ہوئے بنگال پہنچے۔ یہاں مسجد اور خانقاہ بنوائی اور رشد وہدایت کا سلسلہ قائم کیا۔ آپ ۶۴۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار فیض آثار سلہٹ میں مرجع خلائق ہے۔ بنگال میں ایک اور سہروردی بزرگ حضرت تقی مہسوی نے بھی اشاعت دین کا زبردست کام کیا ہے۔

بہار میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ و مجاز حضرت شہاب الدین پیر جگجوت اور حضرت مخدوم یحیٰی منیری نیز حضرت مخدوم احمد چرم پوش رحمہا اللہ علیہم کے ذریعہ سہروردی فیضان بڑے پیمانہ پر پھیلا۔ حضرت پیر جگجوت کاشغر کے رہنے والے تھے اور بغرض اشاعت اسلام وارد ہند ہوئے۔ پٹنہ کے قریب جیٹھلی میں قیام پذیر ہوئے اور تازندگی دادر شد وہدایت دی۔ حضرت مخدوم یحیٰی منیری اپنے جدامجد حضرت امام تاج فقیہہ کے ہمراہ ۵۷٦ھ میں مجاہدین کے جلو میں منیر پہنچے اور اسی قریہ میں تازندگی مصروف رشد وہدایت رہے۔ حضرت مخدوم احمد چرم پوش علیہ الرحمہ بہ اعتبار پیدائش ہندوستانی تھے۔ لیکن آپکا خاندان باہر سے آکر یہاں آباد ہوا تھا۔ آپ تبلیغ اسلام کیلئے دور دور تک بادیہ پیمارہے۔

بالآخر بہار شریف کے محلّہ انبیر میں قیام پزیر ہوئے۔ ۶۷۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار محلّہ انبیر بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔

جس دور میں سہروردی بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اور چشتی بزرگ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت ہندوستان کے عوام و خواص کے درمیان پھیلی ہوئی تھی تقریباً اسی دور میں حضرت بدر الدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ وارد ہند ہوئے۔ آپ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش رحمتہ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے ہندوستان آکر اپنے سلسلہ کی بنیاد استقامت دین اور طلب علوم دینیہ اور اخفائے کشف و کرامات پر رکھی۔ آپ نے حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور اپنے حلقہ ارادت میں داخل کرکے اپنا مجاز و خلیفہ اور جانشین قرار دیا۔ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی ہی کے نام پر اس سلسلے کا نام سلسلہ فردوسیہ رکھا گیا۔ آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی نے سلسلہ فردوسیہ کو بہت فروغ دیا اور گمنام پسندی کے باوجود آپ اپنے مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کے سبب بڑی عظمت و شہرت کے حامل ہوئے۔ حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ اور آپ کے خلفاء کا تفصیلی تذکرہ آئندہ آئے گا۔ اس جگہ اس قدر کہنا ہے کہ آپ بھی پیدائش کے اعتبار سے ملکی تھے لیکن آپ کے والد بزرگوار حضرت مخدوم یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد حضرت امام تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ بغرض جہاد بیت المقدس سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔

دیگر سلاسل کی مانند سلسلہ زاہدیہ کے بزرگ بھی ابتداء ہی میں یہاں آئے اور رشد و ہدایت کا کام انجام دیا۔ حضرت خواجہ شہاب الدین کبیر امام کعبہ ہندوستان آکر میرٹھ میں قیام پذیر ہوئے اور تبلیغ اسلام، رشد و ہدایت اور

خدمت خلق کے فرائض کو انجام دیا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ فخر الدین خداداد بزرگ اور پوتے حضرت شیخ شہاب الدین حق گوزاہدی اوران کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت فخر الدین ثانی زاہدی نے زاہدی طریق کی اشاعت کی۔ اورانکے بعد ان کے صاحبزادے حضرت بدرالدین بدر عالم زاہدی مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ سے سلسلہ زاہدیہ کو بہت فروغ ہوا۔

سلسلہ قادریہ کا فیضان سرزمین ہند میں نویں صدی ہجری میں پہنچا۔ ابھی تک مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ سب سے پہلے دیار ہند میں کون قادری بزرگ آئے۔ البتہ 'اخبار الاخیار' میں چند قادری بزرگوں کے احوال درج ہیں۔ ان ہی میں حضرت شیخ بہاء الدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری ہیں۔ آپ کا وطن قصبہ جنید تھا۔ مانڈو کے کسی بادشاہ کی درخواست پر دیار ہند آئے اور مانڈو ہی میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ ہی کے زمانے میں حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت مخدوم شیخ محمد الحسینی الجیلانی رحمتہ اللہ علیہ وارد ہند ہوئے۔ آپکے بعد آپکے صاحبزادے حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر اوران کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبدالزاق مسند رشد وہدایت پر بیٹھے۔ آپ کے نیز آپ کی اولاد کے ذریعہ سلسلہ قادریہ کو بہت فروغ ہوا۔ صوبہ بہار میں سب سے پہلے حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت عطاء اللہ بغدادی تشریف لائے۔ اور بہار شریف میں قیام اختیار کیا اور تازندگی مصروف رشد و ہدایت رہے۔ ۸۱۷ھ میں آپ کا وصال ہوا اور محلّہ پیرشاہ گھاٹ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے معا بعد سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سیدنا محمد ن القادری کا قدم مبارک ۸۴۶ھ میں ہندوستان پہنچا اور آپ نے اس دیار میں قادری تعلیمات روحانی و باطنی کی ترویج واشاعت کی۔ آپ کے بعد آپ

کے خلفاء نے اس فیضان کا زیادہ سے زیادہ اجراء کیا۔

سلسلہ قادریہ کے بزرگوں کے ساتھ ہی ساتھ سلسلہ شطاریہ کے بزرگوں کی آمد بھی ہوئی۔امام سلسلہ حضرت عبداللہ شطار رحمتہ اللہ علیہ بخارا سے ہندوستان آئے۔اور سلسلہ شطاریہ کی ترویج و اشاعت کی۔آپ کے بعد آپ کے ممتاز خلیفہ حضرت شاہ قاضن علا شطاری اور ان کی اولاد کے ذریعہ سلسلہ شطاریہ کو بہت فروغ ہوا۔

بہت سارے بزرگ ایسے بھی وارد ہند ہوئے جن کے ذکر سے تاریخ کے صفحات تو خالی ہیں لیکن ان کی اولاد میں ان کا تذکرہ سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ایسے ہی بزرگوں میں ایک بزرگ حضرت سید حسن رضا بخاری رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔آپ کب ہندوستان آئے اور کب صوبہ بہار پہنچ کر ضلع نالندہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی دھمولی میں قیام پذیر ہو گئے،معلوم نہیں۔یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ آپ کس سلسلہ کے بزرگ تھے۔لیکن آپ کی اولاد کے ذریعہ قرب وجوار میں ابتدائی دینی تعلیم کی روشنی خوب پھیلی۔

الغرض تقریباً ہر سلسلے کے بزرگوں کی آمد ہندوستان میں ہوئی اور ان حضرات نے تبلیغ دین میں بیش از بیش حصہ لیا۔ایک طرف سلاطین نے علاقے فتح کئے تو دوسری طرف ان بوریہ نشین صوفیائے کرام نے اپنے بے پناہ خلوص اور جذبہ خدمت اور خیر خواہی سے لوگوں کے دلوں کو جیتا۔ان بزرگوں کا فیض آج بھی جاری وساری ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

✪✪✪✪✪✪✪

سرزمین بہار اور صوفیائے کرام

ہندوستان میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے چوتھی صدی ہجری کے اواخر ہی میں شروع ہوچکا تھا لیکن ان کی سرگرمیاں ابتداءً زیادہ تر پنجاب اور سندھ کے علاقے تک ہی محدود رہیں۔ بہار کی سرزمین چھٹی صدی ہجری میں انکی آمد سے شرف یاب ہوئی۔ قبل ذکر ہوچکا ہے کہ ۵۷۶ھ کے دوران ایک بزرگ حضرت مومن عارف بہار کے قصبہ منیر پہنچے۔ان کی مشغولیتیں منیر کے راجا کو ناگوار ہوئیں۔اور اس نے انھیں پریشان کرنا شروع کردیا۔ مجبوراً انھوں نے بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت امام تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ مجاہدین کے ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ منیر آئے۔ جنگ ہوئی۔ راجا یا تو مارا گیا یا فرار ہوگیا۔ حضرت امام تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں کی سیاسی باگ ڈور کے ساتھ ہی تبلیغ واشاعت دین کا کام بھی اپنے بیٹوں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسرائیل کے حوالے کیا اور خود بیت المقدس واپس لوٹ گئے۔

فتح منیر پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت رحمتہ اللہ علیہ کاشغر سے عازم ہند ہوئے اور پٹنہ سے ۸ میل دور موضع عالم پور جیو ٹھلی پہنچ کر سکونت اختیار کی۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔اور تازندگی رشد و ہدایت کی ترویج اور سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت کرتے رہے۔ آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور سب ولیہ کاملہ تھیں۔ بڑی بیٹی حضرت بی بی رضیہ کی شادی حضرت

مخدوم احمد یحیٰ منیری (پدر بزرگوار حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ) سے ہوئی۔ منجھلی بیٹی حضرت بی بی حبیبہ کی شادی حضرت موسیٰ ہمدانی (والد ماجد حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش) سے ہوئی۔ سنجھلی بیٹی حضرت بی بی کمال کی شادی حضرت سلیمان لنگر زمین سے ہوئی۔ حضرت بی بی کمال کے پوتے حضرت غریب اللہ حسین دھکڑ پوش جلیل القدر سہروردی بزرگ ہوئے ہیں۔ چھوٹی بیٹی حضرت بی بی جمال کی شادی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ (پکی درگاہ جیو ٹھلی) کے صاحبزادے حضرت شیخ حمید الدین سے ہوئی۔ غرضیکہ صوبہ بہار کا قدیم صوفی خانوادہ حضرت پیر جگجوت ہی کی ذریت ہے۔ اور اس خانوادہ کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کی ہے۔

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ! یہ وہ نام ہے جس سے فیضان روحانی کی آبرو تادم تحریر قائم ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گی۔ آپ آسمان تصوف کے وہ تابندہ ستارہ ہیں جس کی چمک دمک سے نہ صرف ان کے زمانے میں اہل سعادت کی آنکھیں خیرہ رہیں بلکہ آج بھی نہ جانے کتنے قلوب کو اسی 'مطلع انوار الٰہی' سے کسب نور کا شرف حاصل ہے۔ کتنی مقدس ہے بہار شریف کی وہ زمین جسے آپ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تفصیل آئندہ اپنی جگہ پر۔

مخدوم جہاں علیہ الرحمہ والرضوان کے زمانے ہی میں بہار شریف اور اطراف کا علاقہ اہل اللہ کی نظر میں اہمیت کا حامل بن چکا تھا۔ یہ اہمیت روز بروز بڑھتی گئی۔ اور وسیع ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سارا صوبہ بہار رفتہ رفتہ فیضان روحانی کا مرکز بنتا گیا۔ کم و بیش ہر سلسلے کے بزرگ یہاں آئے اور رشد و ہدایت کی ترویج بہ ہزار رنگ ہوئی۔ سہروردیہ طریقہ تو یہاں ابتدا ہی سے تھا' فردوسیہ فیضان مخدوم جہاں کی ذات سے پھیلا۔ چشتیہ ' قادریہ ' نقشبندیہ ' شطاریہ '

کبرویہ غرضیکہ بیشتر سلاسل کے بزرگوں کا فیض یہاں پہنچا۔ خانقاہیں قائم ہوئیں اور اشاعت دین کا کام وسیع پیمانے پر انجام پایا۔ اور یہ کام برس دو برس نہیں مسلسل پشتہا پشت ہوتا رہا۔ آج بھی حالات کی تمام تر نامساعدت کے باوجود ہو رہا ہے۔

بہار کی خانقاہیں: جیسا کہ معلوم ہے حضرات صوفیائے کرام کی تمام تر تبلیغی سرگرمیوں کے مراکز خانقاہیں رہی ہیں۔ چنانچہ صوبہ بہار میں بھی حضرات صوفیائے کرام کی آمد کے ساتھ ہی خدارسی کے یہ مراکز قائم ہوئے اور رشد وہدایت کا سیل رواں ہر چہار طرف بہہ نکلا۔ یہ خانقاہیں صرف غریب عوام ہی کا مرجع نہ تھیں بلکہ صاحبان ثروت کے لئے بھی سکون دل اور اصلاح فکر ونظر کا سامان تھیں۔ یہاں تک کہ بعض سلاطین وقت نے بھی ان چوکھٹوں پر جبین عقیدت جھکانا اپنی سعادت سمجھا ہے۔

بہار کے طول وعرض میں جگہ جگہ ان خانقاہوں کے قیام کے ساتھ ہی اوائل ہی سے ہر خاص وعام کے لئے خدا تک پہنچنے کا امکان پیدا ہو گیا اور لوگ بقدر قسمت اپنا اپنا حصہ پانے لگے۔

ان خانقاہوں کی تاریخ اور ان کی سرگرمیاں اپنے اندر ایسی دلکشی اور جاذبیت رکھتی ہیں کہ اگر انکا تفصیلی تذکرہ کیا جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں لیکن اس دور میں کسے فرصت ہے جو **"داستان دل مضطرب سن سکے۔"** لہذا بہار میں جو خانقاہیں مختلف جگہوں پر قائم ہوئیں ان کا اجمالی تذکرہ ممکن حد تک زمانی اعتبار سے درج ذیل سطور میں فراہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ بزرگوں نے کتنی جانفشانی سے ان مراکز رشد وہدایت کا بہار کے طول وعرض میں ایک جال سا بن دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ جال اب جگہ جگہ سے ٹوٹ چکا ہے۔ اور شاید فرسودہ بھی ہو گیا ہے۔ ممکن ہے ان معروضات سے کسی صاحب دل کو اس کی فرسودگی دور کر کے اسے نیا رنگ و روغن اور نئی طرح دینے کا حوصلہ ہو جائے اور "اسی سوکھی ہوئی جڑ سے کوئی

کونپل نکل آئے۔"

(۱) **منیرشریف :** خانقاہ منیر شریف ساتویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں قائم ہوئی۔ ابتداء اُس خانقاہ سے **حضرت مخدوم یحییٰ منیری** رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے سلسلہ سہروردیہ کا فیضان جاری ہوا۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے **حضرت مخدوم جلیل الدین** رحمتہ اللہ علیہ مرید **حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی** اور خلیفہ والد خود جب سریر آرائے مسند رشد و ہدایت ہوئے تو **سہروردی اور فردوسی فیضان** باہم دیگر ہم آہنگ ہو گیا۔ زمانہ مابعد میں سلاسل **فردوسیہ' چشتیہ' قادریہ نیز شطاریہ** کی اشاعت اس خانقاہ سے بڑے پیمانے پر ہوئی۔ اس خانقاہ کے گل سرسبد **حضرت مخدوم شاہ دولت منیری** قدس سرہٗ کا زمانہ جب آیا تو اس خانقاہ کی شہرت ہندوستان گیر طور پر ہوئی۔ ہر خاص و عام نے اپنی اپنی قسمت کے اعتبار سے منیر کا رُخ کیا اور "**اپنی اپنی جھولیاں آکر بھریں۔**"

(۲) **بہارشریف:** منیر شریف کے بعد بہار شریف کی سرزمین ہموار ہوئی۔ سب سے پہلے **حضرت خضرپارہ دوست** مرید و خلیفہ حضرت **فریدالدین گنج شکر** رحمتہ اللہ علیہ نے ایک چشتی جماعت خانہ قائم کیا۔ اس کی خبر جب **حضرت نظام الدین اولیاء** قدس سرہٗ کو ہوئی تو انہوں نے بھی اس جماعت خانہ یا خانقاہ میں آکر خلوت نشینی کا ارادہ کیا گو کہ کسی سبب سے اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ (ماخوذ از سیر الاولیاء)۔ اس چشتی جماعت خانہ کی یادگار کے طور پر بہار کا محلّہ چشتیانہ آج بھی آباد ہے۔

حضرت **مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمدیحییٰ منیری** قدس سرہٗ نے ۷۲۰ھ کے بعد عالم سُکر سے نزول فرمایا اور مسلسل دشت نوردی ختم کر کے بہار شریف میں آکر اقامت اختیار کی۔ حضرت نظام مولیٰ مرید و خلیفہ **حضرت نظام الدین اولیاء** رحمتہ اللہ نے اپنے مال مزکّی سے ایک مکان تعمیر کیا جس میں بیٹھ کر مخدوم جہاں آنے جانے والوں کو راہ ہدایت

دکھانے بلکہ اس پر چلانے لگے۔ محمد شاہ تغلق بادشاہ دہلی کو جب معلوم ہوا تو اس نے گورنر بہار مجد الملک کو فرمان ارسال کیا کہ

"مخدوم کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، خرچ خانقاہ کے لئے، راجگیر کی جاگیر اور مشغولیٔ حق کے لئے ایک بلغاری مصلّےٰ نذر کیا جائے۔ قبول کریں تو ٹھیک ورنہ زبردستی قبول کرایا جائے۔"

مجد الملک نے لجاجت سے نذر قبول کرنے کی درخواست کی تاکہ بادشاہ کے ناروا سلوک سے بچے۔ مخدوم جہاں نے از راہ کرم قبول فرمایا اور بلغاری مصلّی پر بیٹھے۔ لوگوں نے آکر نذر گزاری۔ ایک درویش جب مخدوم کے حضور پہنچے تو مخدوم نے کہا "بھائی! اس مصلی پر بیٹھنے کے حقدار آپ جیسے لوگ ہیں۔ میں تو محض بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔" درویش نے جواباً عرض کیا "مخدوم! آپ کیا ہیں یہ مخفی نہیں ہے۔" نیاز مندی سے نذر گزاری اور واپس ہوئے۔ یہ ایک جھلک تھی اس خانقاہ کی جس سے فیضان شرفی کا وہ دریا بہا جس سے بہار کی تمام سرزمین سیراب ہو گئی اور اب تک ہو رہی ہے۔

مخدوم جہاں کے سجادگان حضرات بلخیہ اس خانقاہ میں بیٹھ کر تقریباً ڈیڑھ سو سال تک داد و رشد و ہدایت دیتے رہے۔ اس کے بعد سجادگی مخدوم جہاں کی اولاد میں چلی آئی اور اس خانقاہ کے آخری بلخی سجادہ نشیں حضرت جیون بلخی قدس سرہٗ کے بعد خدام درگاہ نے حضرت مخدوم شاہ بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ کو مخدوم جہاں کے سجادہ پر بٹھایا۔ تب سے اس خانقاہ کی سجادگی مخدوم جہاں کی اولاد میں تاحال چلی آ رہی ہے اور فیضان شرفی کی تقسیم جیسے پہلے ہوتی تھی اسی طرح اب بھی ہو رہی ہے۔

مخدوم جہاں کی خانقاہ معظم کے قائم ہونے کے کچھ ہی قبل بہار شریف کے محلہ انبیر میں حضرت مخدوم جہاں کے خالہ زاد بھائی حضرت سیداحمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ کی سہروردی خانقاہ قائم ہو چکی

تھی۔ اسی خانقاہ اوراس کے عالی مرتبت سجادہ نشینوں کا شہرہ سن کر حضرت شیخ شمس الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ عازم بہار ہوئے اور یہاں پہنچ کر اس خانقاہ کی چار دیواری کے اندر ذکر وفکر کی ایک الگ دنیا بسائی۔ آپکی اہلیہ اور صاحبزادوں نے بھی موافقت کی اور بہار چلے آئے۔ آپکے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مظفر شمس بلخی کو مخدوم جہاں سے ارادت ہوئی اور وہ ان کی نگرانی میں راہ سلوک طے کر کے آسمان ولایت کے ماہ اور مسند عشق کے شاہ بنے۔ آپ کے دوسرے بھائی حضرت شیخ معز بلخی نے حضرت شیخ احمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی اور اپنا حصہ مقسوم پایا۔ یہ خانقاہ بفضلہٖ تعالیٰ ہنوز قائم ہے اور خانقاہ انبیر کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مخدوم سیداحمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ کی سہروردی خانقاہ اور مخدوم جہاں قدس سرہٗ کی خانقاہ معظم سے پہلے ہی بہار میں چشتیوں کے جماعت خانے قائم تھے۔ لیکن ان کے تواتر کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ حضرت فریدالدین طویلہ بخش کی خانقاہ سے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہوئی۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ کے بھائی جمال الدین کے پوتے اور حضرت نورقطب عالم پنڈوی رحمتہ اللہ علیہ کے داماد اور مرید و مجاز تھے۔ آپ کی خانقاہ بہار شریف کے محلّہ چاندپورہ میں تھی۔ ان کی اولاد میں حضرت دیوان عبدالوھاب مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی خانقاہ محلّہ تکیہ خرد میں چشتی فیضان کے لئے مشہور تھی۔

سلسلہ زاہدیہ کے گرامی قدر اور بافیض بزرگ حضرت مخدوم شاہ بدرالدین بدرعالم زاھدی قدس سرہٗ کو حضرت مخدوم جہاں نے اپنی زندگی ہی میں چاٹگام سے بہار شریف بلایا تھا۔ لیکن آپ مخدوم جہاں کے وصال کے بعد بہار پہنچ سکے۔ تاہم جس مقصد سے آپ کی طلبی ہوئی تھی وہ بہر حال پورا ہوا۔ آپ کی ذات سے تحریک اشاعت دین کو بڑی تقویت ملی۔ آپ کی خانقاہ سے زاہدی فیضان جاری ہوا اور بہار کی تقریباً ہر خانقاہ میں پہنچا۔

حضرت سید علی ہمدانی قدس سرہٗ صاحب ولایت کشمیر کے پوتا **سید علاء الدین ہمدانی** کی خانقاہ بھی بہار شریف میں اپنے عہد کی ممتاز اور معروف خانقاہ رہی ہے۔ اس خانقاہ سے سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ دونوں ہی سلسلوں کا فیضان جاری ہوا۔

بہار شریف اوائل ہی سے صوفیائے کرام کی نظروں میں رہا ہے۔ اور مختلف سلاسل کی خانقاہیں یہاں قائم ہوتی رہی ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں مذکور ہوا۔ علاوہ ازیں سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ **حضرت محمد عیسیٰ جونپوری** کے چھوٹے بھائی **حضرت احمد عیسیٰ تاج** کی خانقاہ بہار شریف کے محلّہ بھینساسور میں سرگرم عمل تھی اور محلّہ بارہ دری میں حضرت میر فضل اللہ گوسائیں داماد و مرید و مجاز **حضرت قطب الدین بینائے دل جون پوری قدس سرہٗ** کی مشہور و معروف خانقاہ تھی۔ سلسلہ قادریہ اور قلندریہ کا فیضان اسی خانقاہ سے صوبہ بہار کی اکثر خانقاہوں میں پہنچا۔ نیز بہار شریف میں **"محل پر"** ایک مشہور محلّہ ہے۔ یہاں **حضرت دیوان محمد رشید جون پوری قدس سرہ** کے خلیفہ و مجاز **حضرت میرجعفر پٹنوی** کی بہت مشہور خانقاہ تھی، اس کا فیضان ہنوز جاری ہے۔ محلّہ گڑھ پر **حضرت قمیص قادری** کی خانقاہ تھی۔ نیز حضرت غوث پاک کی اولاد میں ایک بزرگ **حضرت مخدوم عطاء اللہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ حضرت مخدوم جہاں** کے زمانہ کے معابعد بہار شریف **پہنچے۔ آپ** کو سلسلہ قادریہ کی اجازت **حضرت سید حسین قادری سے اور سلسلہ** چشتیہ کی اجازت حضرت **نورقطب عالم پنڈوی** سے تھی۔ **آپ کی خانقاہ** سے سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں ہی سلسلوں کا فیضان جاری ہوا۔

جن خانقاہوں کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں ہوا ان کے علاوہ **بھی بہار** شریف میں چھوٹی چھوٹی متعدد خانقاہیں رہی ہیں جو اپنے عہد میں بہت مشہور تھیں۔ لیکن آج پردہ گمنامی میں ہیں۔ اگرچہ ان کا فیض جاری نہیں ہے لیکن نام

بہر حال باقی ہے۔

(۳) شیخپورہ : جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے **حضرت مخدوم جہاں** کا فیضان بہار شریف ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ انکے خلفاء کے ذریعہ صوبہ بہار میں ہر طرف پھیلا اور متعدد جگہوں پر فردوسی خانقاہیں قائم ہوئیں۔

بہار شریف سے کچھ فاصلے پر ایک مشہور قصبہ شیخپورہ ہے۔ یہاں حضرت مخدوم جہاں کے برادر عم زاد اور مرید و خلیفہ **حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہٗ** کی خانقاہ قائم ہوئی۔ مخدوم جہاں بذات خود مخدوم شاہ شعیب سے ملنے شیخپورہ جایا کرتے تھے۔ یہ خانقاہ ہنوز سرگرم عمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بہار شریف کے بعد دوسری قدیم فردوسی خانقاہ یہی ہے۔

(۴) ابراھیم پور چروایاں : بہار شریف اور شیخپورہ کے درمیان موضع ابراہیم پور چروایاں آباد ہے۔ اسے **حضرت مولانا آموں قدس سرہ**' مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شیخپورہ جاتے ہوئے اس موضع سے گزرا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے یہاں **گلچکاں کا ایک** درخت لگایا تھا اور ایک باغ لگانے کی تاکید بھی کی تھی۔ اسی جگہ **حضرت مولانا آموں** کی خانقاہ قائم ہوئی۔ اور قرب و جوار کو فردوسی فیضان نصیب ہوا۔ اس خانقاہ کا تسلسل حضرت مولانا آموں کے پوتے **حضرت مبارک بن ارزانی** تک باقی رہا۔ اس کے بعد خانقاہ کی ہماہمی ختم ہوگئی۔

(۵) معافا : حضرت سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپور سے بہار آکر مخدوم جہاں کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ گو کہ آپ وطن واپس ہوگئے لیکن آپ کا سلسلہ بہار میں بھی باقی رہا۔ آپ کے دونوں صاجبزادگان **حضرت سید محمد** اور **حضرت سید احمد** والد ہی سے مرید تھے۔ اور حضرت سید محمد کو والد سے سلسلہ فردوسیہ کی اجازت و خلافت بھی ملی تھی۔ علاوہ ازیں انھیں حضرت

پیر بدرالدین بدر عالم زاہدی سے بھی اجازت و خلافت ملی۔ آپ کی خانقاہ موضع معافا میں تھی۔ جو اسلام پور سے چودہ میل دکھن پیار ندی کے کنارے واقع ہے۔ یہ خانقاہ **حضرت سید فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ** کے والد **حضرت محمد علی ابدالی رحمتہ اللہ علیہ** تک سرگرم عمل رہی۔ ان کے بعد اس خانقاہ کا فیضان مسدود ہو گیا۔ اور اب تو موضع معافا مسلم آبادی ہی سے تقریباً خالی ہو چکا ہے۔

(۶) **قتال پورہ :** قتال پورہ قصبہ اسلام پور سے قدرے فاصلے پر آباد ہے۔ یہاں **حضرت شمس الدین محمود خضر بدایونی** مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہاں کی خانقاہ قائم تھی۔ تیرہویں صدی ہجری کے اواخر تک یہ خانقاہ کام کرتی رہی اس کے بعد خاموش ہو گئی۔

(۷) **اسلام پور : حضرت شمس الدین خضر بدایونی رحمتہ اللہ علیہ** کے پرپوتے **حضرت دیوان حبیب اللہ قادری** نے اسلام پور (ضلع نالندہ) میں بود و باش اختیار کی اور اپنی خانقاہ قائم کی۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی کی شادیاں ہمدانی، بلخی، اور ابدالی بزرگوں سے کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہ اسلام پور سے نہ صرف سلسلہ قادریہ اور فردوسیہ کا فیضان جاری ہوا۔ بلکہ سلاسل سہروردیہ، کبرویہ اور زاہدیہ کی تعلیمات روحانی سے بھی لوگ مستفید ہوئے۔ **حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری رحمتہ اللہ علیہ** سجادہ نشیں خانقاہ اسلام پور بارہویں صدی ہجری کے بہت مشہور اور بافیض بزرگ تھے۔

اسی خانقاہ کے پروردہ چودہویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت جامع الطریق بزرگ **حضرت مخدوم سید شاہ ابوالخیر موسیٰ المدعوبہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ** تھے۔ آپ انیس سلاسل کی اجازت و خلافت کے حامل تھے اور اصفیائے گزشتہ کی گرانقدر یادگار۔ آپ نے کم و بیش ہر سلسلہ روحانی کو جاری کیا۔ اور طالبین کو ان کے مزاج اور شاکلہ کے مطابق

راہ دکھائی اور اس پر کامیابی سے چلایا کہ یہی مخدومیت ہے۔اور بلاشبہ آپ مخدوم زمانہ تھے۔اللہ کی رحمت آپ پر اور آپ کے متوسلین پر۔آپ کی یادگار کے طور پر اسلام پور ہی میں **"خانقاہ صوفیہ"** قائم ہوئی اور مسلسل کام کر رہی ہے۔

(۸) **دیورہ :** دیورہ (ضلع گیا) ایک قدیم مردم خیز قصبہ ہے۔ یہاں **حضرت شیخ برھان الدین عرف خوند میاں دیوری** کی خانقاہ فیضان فردوسی کے لئے بہت مشہور رہی ہے۔خاندان برہانیہ کے ایک باکمال بزرگ **حضرت کمال علی کمال قدس سرہٗ** کی ذات بابرکات سے فیضان روحانی کے ساتھ ہی ذوق شعر وادب بھی عام ہوا۔ آپ کی باکمال شخصیت کے باعث خانقاہ برہانیہ کے نام میں کمالیہ کا اضافہ ہوا۔ اور دیورہ کی خانقاہ 'خانقاہ برہانیہ کمالیہ کہی جانے لگی۔اوراب تک سرگرم عمل ہے۔

(۹) **سملہ :** دیورہ کے خاندان کی ایک شاخ سملہ (ضلع اورنگ آباد) آکر آباد ہو گئی۔ساتھ ہی سلسلہ فردوسیہ بھی آیا اور شغل بیعت وارشاد بھی لیکن باضابطہ خانقاہ داری کا سلسلہ حضرت **مولانا حکیم شاہ مجیب الحق قدس سرہ**' سے شروع ہوا۔ان کی خانقاہ **"خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ"** کے نام سے مشہور ہوئی اور ہے۔

(۱۰) **فتوحہ :** حضرت مخدوم جہاں **شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری** قدس سرہٗ کے بلخی سجادگان تقریباً ڈیڑھ سو سال تک بہار شریف میں داد رشد و ہدایت دیتے رہے۔ لیکن جب خانقاہ کی سجادگی وجہ نزاع بن گئی تو **حضرت جیون بلخی** کے صاحبزادے **حضرت فرید بلخی** بہار شریف کی سکونت ترک کر کے پھلواری شریف کے نزدیک موضع بیور میں جا بسے۔اور ان کی اولاد نے بعد میں فتوحہ کو اپنا مستقر بنایا۔اور سلسلہ فردوسیہ بلخیہ کی ترویج واشاعت کے لئے خانقاہ قائم کی۔اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین **حضرت علیم الدین بلخی** مدظلہ ہیں اور پٹنہ کے محلہ عالم گنج

میں رہائش پذیر ہیں، خانقاہی ذمہ داریوں کے تحت فتوحہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

(۱۱) **بھاگلپور:** بھاگلپور میں دو خانقاہیں ہیں۔ ایک حضرت **مولانا شہباز بھاگلپوری** کی اور دوسری **حضرت سید محمد پیر دمڑیا** کی محلہ "**خلیفہ باغ**" میں۔ اول الذکر سے فردوسی اور قادری فیضان جاری ہوا۔ اور ثانی الذکر سے سہروردی فیضان۔ دونوں خانقاہیں تاحال سرگرم عمل ہیں۔

(۱۲) **ویشالی (مظفرپور):** **حضرت قاضن علاشطاری** مرید و خلیفہ **حضرت عبداللہ شطاری** نویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ ہیں۔ آپ کی خانقاہ ویشالی میں تھی اور بہت شہرت رکھتی تھی۔

(۱۳) **مظفرپور:** **حضرت قاضن علاشطاری** کے صاحبزادے حضرت **عبدالرحمن شطاری** کی خانقاہ مظفرپور (سریا گنج) میں تھی۔ نیز چودھویں صدی ہجری میں **حضرت تیغ علی شاہ** کی خانقاہ تیغیہ مظفرپور کے سرکاہی شریف میں قائم ہوئی اور داد رشد و ہدایت دے رہی ہے۔

(۱۴) **حاجی پور:** **حضرت ابوالفتح ہدیت اللہ** پیر **سرمست شطاری ابن حضرت قاضن علا شطاری** نے فیض رسانی کے لئے حاجی پور کو مستقر بنایا۔ آپ کی خانقاہ ایک عرصہ تک یہاں سرگرم عمل رہی۔

(۱۵) **رتن سرائے:** رتن سرائے گوپال گنج کے قریب ایک قصبہ ہے۔ یہاں حضرت **شیخ حاجی حمیدالدین** حضور مرید و خلیفہ **حضرت ابوالفتح** پیر سرمست ہدایت اللہ شطاری کی خانقاہ تھی۔

(۱۶) **حبندھا:** حبندھا میں حضرت مخدوم **رکن الدین شطاری** حبندہی رحمتہ اللہ علیہ خلف اکبر **حضرت قاضن علاشطاری** کی خانقاہ ایک زمانے میں بہت مشہور تھی۔

(۱۷) **راجگیر:** راجگیر عہد قدیم ہی سے بزرگان دین کے مجاہدہ و ریاضت کا مرکز رہا ہے۔ لیکن حضرت مخدوم جہاں کے بعد وہاں خاموشی رہی ہے۔ البتہ دو سو برس کے بعد پیر **منصور راجگیری** رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ

کو فروغ ہوا اور ان کے نواسے حضرت شاہ اعلیٰ کی خانقاہ کا فیضان جاری رہا اور ان کے دوسرے خالہ زاد بھائی **حضرت پیر امام الدین راجگیری** سے سلسلہ شطاریہ کو کافی فروغ ہوا۔ لیکن اب ان کی خانقاہ خاموش ہے۔

(۱۸) **چمنی بازار پورنیہ:** حضرت دیوان **محمد رشید جونپوری** کے والد اور پیر و مرشد **حضرت شیخ مصطفیٰ جمال الحق** کی چشتی خانقاہ۔ یہ خانقاہ ہنوز رشد و ہدایت کے لئے مشہور ہے۔

(۱۹) **امجھر شریف:** یہ بہار کی پہلی خالص قادری خانقاہ ہے۔ اسے نویں صدی ہجری میں **حضرت سید محمد بغدادی امجھری** نے قائم کیا تھا۔ آپ حضور غوث پاک کی اولاد میں ہیں اور اپنے پیر کے حکم کے تحت براہ راست بغداد سے امجھر شریف تشریف لائے تھے۔ آپ کی اولاد سے امجھر شریف نسلاً بعد نسلاً تاہنوز آباد رہا۔ اور یہ خانقاہ فیضان قادری کا اہم وسیلہ بنی رہی۔ اس کے امتیاز میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ آج بھی اس سے فیضان جاری و ساری ہے۔

(۲۰) **چوکی قتال ضلع سارن:** یہاں حضرت پیر بدر عالم زاہدی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت شہاب الدین قتال کی خانقاہ ہے۔ اس خانقاہ میں آج بھی اوپر کے بزرگوں کے تبرکات محفوظ ہیں۔

(۲۱) **بھمن برہ شریف:** ضلع سیوان میں چوکی قتال سے متصل بھمن برہ شریف ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں بارہویں صدی ہجری میں حضرت قطب الہند **غلام معین الدین رشیدی** نے خانقاہ قائم کی تھی۔ جس سے ہنوز فیضان جاری ہے۔

(۲۲) حسن پورہ (ضلع سیوان): خانقاہ حضرت سید حسن سہروردی پیر دمڑیا۔

(۲۳) **عسری (ضلع سارن):** چشتی خانقاہ قائم کردہ حضرت میر عبد الملک مرید و خلیفہ حضرت **عیسیٰ تاج جونپوری**۔ حضرت میر عبد الملک سید حسن سہروردی پیر دمڑیا کے خسر تھے۔

(۲۴) **تاج پور بسھیا(ضلع سارن):** حضرت **شہاب الدین قتال زاھدی** کے نواسے حضرت **حافظ منجھن جلال ناصحی** سارنی دسویں صدی ہجری کے مشہور بافیض بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی خانقاہ تاج پور بسھیا میں **قادری، زاھدی، سھروردی** اور **شطاری** فیضان کے لئے مشہور تھی۔

(۲۵) **چنڈھوس:** دسویں صدی ہجری کے سہروردی بزرگ **حضرت صوفی ضیاء الدین** کی خانقاہ چنڈھوس میں قائم تھی۔

(۲۶) **باڑھ:** باڑھ میں حضرت **دیوان جعفرمحمدقادری** از اولاد حضرت سید محمد بندہ نواز گیسودراز کی خانقاہ فیوض و برکات کے لئے مشہور تھی۔ آپ کے مرید و خلیفہ حضرت **میرخلیل قطبی قادری** کے مرید و مجاز حضرت **مخدوم منعم پاک** بہار کے بڑے ہی بافیض بزرگ گزرے ہیں۔

(۲۷) سہسرام: خانقہ کبیریہ قائم کردہ حضور سید شاہ کبیر رحمۃ اللہ علیہ نیز خانقاہ فریدیہ، اصدقیہ اور دائرہ شاہ وصی بھی سہسرام میں ہیں۔

(۲۸) ہلسہ (نالندہ ضلع): سلسلہ مداریہ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم جمال الدین عرف جان من جنتی کی قائم کردہ خانقاہ (ہلسہ) سے مداری فیضان جاری ہوا۔ آپ حضرت بدیع الدین مدار قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔

(۲۹) **چشتی چمن پیر بیگہ:** حضرت **شاہ قیام اصدق قدس سرہٗ** بارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ ہیں۔ آپکی خانقاہ چشتی چمن پیر بگہہ (نزد اسلام پور) میں واقع ہے۔ اور سرگرم عمل ہے۔

(۳۰) **عظیم آباد:** عظیم آباد عرف پٹنہ صوبہ بہار کی راجدھانی اور صوفیائے کرام کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں متعدد خانقاہیں سرگرم عمل رہی ہیں اور ہیں۔ حضرت **شیخ شہاب الدین پیرجگجوت** کا سہروردی فیضان پٹنہ سے متصل ایک گاؤں **"جیوٹھلی"** سے جاری ہوا لیکن آپ نے کوئی خانقاہ بھی قائم کی تھی اس کا پتہ ہنوز نہیں چل سکا ہے۔ البتہ آپ کے ہم عصر **حضرت آدم صوفی** رحمتہ اللہ علیہ کی چشتی خانقاہ ساتویں صدی ہجری میں

یہاں قائم تھی۔ لیکن یہ خانقاہ اب یہاں باقی نہیں رہی۔

دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور بزرگ حضرت **دیوان شاہ ارزاں** ہیں۔ آپ سلسلہ مداریہ کے بزرگ تھے۔ اور آپ کی خانقاہ تکیہ شاہ ارزاں محلّہ درگاہ پٹنہ میں تھی بلکہ اب تک موجود ہے۔ اس خانقاہ میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ صاحب سجادہ کے لئے تجرد کی زندگی لازمی ہے اور خانقاہ کی سجادگی خلیفہ ہی سے چلتی ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں حضرت **مخدوم منعم پاکباز قدس سرہ** کی بلند مرتبہ شخصیت دنیائے روحانیت میں مشہور ومعروف تھی۔ آپ کا واسطہ نہایت سریع الاثر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یوں تو بہت سارے سلسلوں میں آپ کا واسطہ ہے لیکن سلسلہ ابوالعلائیہ کا فیضان آپ سے خصوصی طور پر جاری ہوا۔ اور بہار کی تمام خانقاہوں میں پہنچا۔ آپ کے جانشین حضرت **مولانا حسن رضا** رحمتہ اللہ علیہ کا مزار فتوحہ میں ہے۔ لیکن خود آپ کا مزار اور آپ کی خانقاہ میتن گھاٹ پٹنہ میں ہے۔ آج بھی اس خانقاہ سے **"دوائے درد دل"** ضرورتمندوں کو دی جاتی ہے۔ اے کاش کہ لوگ واقعی ضرورت مند ہوتے۔ موجودہ سجادہ نشین **جناب شمیم منعمی** اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اللہ کرے ہر آنے والا دن ان کے حق میں خوب سے خوب تر ہو۔

حضرت **زین العابدین پیر دمڑیا** رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ محلّہ معروف گنج، پٹنہ سیٹی میں دریا کے کنارے واقع ہے اور فیوض وبرکات کیلئے مشہور ہے۔

حضرت **رکن الدین عشق** رحمتہ اللہ علیہ مرید وخلیفہ حضرت مخدوم منعم پاکباز رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ **"تکیہ عشق"** پٹنہ سیٹی میں ہے۔ اس کی ایک شاخ اعلیٰ حضرت **میر قمرالدین حسین** کے واسطے سے داناپور بھی پہنچی۔ وہاں ایک مشہور بزرگ حضرت **شاہ سجاد داناپوری** کی خانقاہ ابوالعلائیہ اپنے زمانے کی مشہور خانقاہ تھی۔ اس کی ایک شاخ الٰہ آباد میں

خانقاہ ابوالعلائیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت **مخدوم حسن علی** مرید و خلیفہ حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ کی خانقاہ خواجہ کلاں گھاٹ پٹنہ میں ہے۔اور بہت مشہور ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں حضرت **عمادالدین قلندر** کی خانقاہ پھلواری شریف سے منگل تالاب پٹنہ سیٹی میں منتقل ہوگئی اور تاحال سرگرم عمل ہے۔اور خانقاہ عمادیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۳۱) پھلواری شریف : بارہویں صدی ہجری میں حضرت **پیر مجیب** رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ مجیبیہ نے پھلواری شریف میں اہم دینی رول ادا کیا۔یہ خانقاہ تاحال سرگرم عمل ہے۔اس کی ایک شاخ **خانقاہ سلیمانیہ** کے نام سے پھلواری ہی میں کار رشد وہدایت انجام دے رہی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم **منہاج الدین راستی** نام کے ایک بزرگ **مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمدیحییٰ منیری** قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔انہوں نے بھی پھلواری شریف میں ایک خانقاہ قائم کی تھی لیکن اب یہ خانقاہ ناپید ہے۔

(۳۲) صفی پور: حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے ایک بزرگ **حضرت مخدوم صفی** دسویں صدی ہجری میں تشریف لائے اور صفی پور میں ایک خانقاہ قائم کی۔اب یہ خانقاہ خاموش ہے۔حضرت مخدوم یحییٰ علی نوآبادی مرید و خلیفہ حضرت مخدوم حسن علی کی خانقاہ اور ان کا مقبرہ بھی صفی پور ہی میں ہے۔

(۳۳) کریم چك : خانقاہ قائم کردہ **حکیم فرحت اللہ حسن** دوست مرید و خلیفہ حضرت مخدوم حسن علی قدس سرہٗ۔

(۳۴) رام ساگر گیا: حضرت **غلام حسین منعمی** کے پوتا حضرت **شاہ عطا حسین منعمی** کی خانقاہ داناپور سے محلہ رام ساگر (گیا) میں منتقل ہوئی اور تاحال فعال ہے۔موجودہ سجادہ نشین **حضرت شاہ غلام مصطفےٰ**

مد ظلہ اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

(۳۵) **بینھو شریف:** حضرت **مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی** قدس سرہٗ کے فرزندان روحانی میں سے ایک بزرگ حضرت **مخدوم شاہ درویش** رحمتہ اللہ علیہ بینھو شریف آکر مقیم ہوگئے۔ آپنے یہاں ایک خانقاہ قائم کی اور رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خانقاہ ہنوز قائم ہے۔

(۳۶) **جوڑامسجد مان پور (گیا):** گیارہویں صدی ہجری میں ایک قادری بزرگ **حضرت شاہ معزالدین قادری** رحمتہ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے اور اقامت اختیار کرلی۔ انہوں نے اوران کی اولاد نے داد رشد وہدایت دی۔ لیکن خانقاہ داری کی روایت یہاں علیٰ تسلسل نہیں ملتی۔ تقریباً ایک سو سال پہلے ایک بزرگ **حضرت شاہ ناظم احمد قادری** رحمتہ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں کچھ کوشش کی جسے ان کے پوتے جناب **شاہ ایاز احمد قادری** نے تکمیل تک پہنچاتے ہوئے یہاں خانقاہ قادریہ قائم کردیا ہے۔ یہ خانقاہ اپنا کام کررہی ہے۔

(۳۷) **ارول:** ضلع جہان آباد میں ایک مردم خیز قصبہ ارول ہے۔ یہاں زمانہ قدیم ہی سے ایک خانقاہ قائم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خانقاہ کو حضرت شمس الدین **عرف سمّن اروِلی** مرید و خلیفہ **حضرت تیم اللہ سفیدباز** رحمتہ اللہ علیہ نے قائم کیا تھا۔ یہ خانقاہ ہنوز قائم اور سرگرم عمل ہے۔

(۳۸) **بلوری:** یہ قصبہ لکھی سرائے کے قریب ہے۔ یہاں حضرت **شمس الدین حقانی** کی خانقاہ ایک زمانے تک کام کرتی رہی۔ اب ناپید ہے۔

(۳۹) **شیخ پورہ خرد:** یہ قصبہ ضلع گیا میں زہٹ کے قریب ہے۔ یہاں سلسلہ چشتیہ کی ایک منفرد خانقاہ قائم ہے۔ منفرد اسلئے کہ یہاں حضرت **خولجہ سید قطب الدین مودود چشتی** رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ تشریف لائے۔ اور خانقاہ قائم کی۔ ان کا سلسلہ بیعت چشتیہ ہی تھا لیکن حضرت **خواجہ معین الدین سجزی** رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے کے

بغیر۔ تاحال یہ خانقاہ فعال اور زندہ ہے۔

(۴۰) **سملی(پٹنہ سیٹی):** خانقاہ فیاضیہ قائم کردہ حضرت **سید غلام حسین ابوالفیاض** رحمتہ اللہ علیہ۔

(۴۱) **پنڈ:** خانقاہ شاکریہ شاخ خانقاہ فیاضیہ۔

(۴۲) **کراپ:** رفیع گنج کے قریب کراپ میں خانقاہ ابوالعلائیہ منعمیہ قائم ہے۔

(۴۳) **آبگلہ(گیا):** حضرت **قاضی مظاہر امام** مرید و خلیفہ حضرت **شاہ عطاحسین** رحمتہ اللہ علیہ سے آبگلہ کی خانقاہ منسوب ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں اور آبگلہ ہی میں ہیں۔ ایک کے سجادہ نشین **شاہ نجم امام** ہیں اور دوسری شاخ کے **مولانا جلیل امام بن قاضی مظاہر امام** کے داماد **جناب اختر** صاحب سجادہ نشین ہیں۔

(۴۴) **داؤدنگر:** انجھر کے قادری خاندان کی ایک شاخ داؤد نگر آئی۔ اور یہاں سلسلہ قادریہ کی ایک خانقاہ قائم ہوئی۔ یہ خانقاہ موجودہ دور میں کارکردگی کے اعتبار سے بہت غنیمت ہے۔

(۴۵) **امتھوا:** ضلع جہان آباد کے قصبہ **امتھوا** میں حضرت **شاہ حیات** رحمتہ اللہ علیہ کی قائم کردہ خانقاہ ہنوز سرگرم عمل ہے۔

(۴۶) **مولانگر:** مولانگر متصل سورج گڑھا میں حضرت **غلام مولیٰ** کی خانقاہ اب تک قائم ہے۔

(۴۷) **مونگیر:** مونگیر کی خانقاہ رحمانیہ قائم کردہ حضرت **مولانا محمدعلی مونگیری** مرید و خلیفہ حضرت مولانا **فضل الرحمن گنج مراد آبادی** نے دور گزشتہ میں قادیانی فتنہ کے خلاف بڑا کام کیا ہے۔ آج بھی یہ خانقاہ سرگرم عمل ہے۔ مونگیر کے محلہ دلاور پور میں بھی ایک خانقاہ قائم تھی۔ اب یہ ناپید ہے۔

(۴۸) **دربھنگہ:** دربھنگہ کی خانقاہ سمرقندیہ فعال خانقاہ ہے۔

(۴۹) **لکھمنیا:** حضرت **شاہ سلطان نقشبندی** کی خانقاہ لکھمنیا

(ضلع بیگو سرائے) میں قائم ہے اور ابھی بھی کام کر رہی ہے۔

(۵۰) **بڑی بلیا**: لکھمنیا سے متصل بڑی بلیا آباد ہے۔ یہاں حضرت **علاء الدین بخاری** کی شطاری خانقاہ ہے۔ اور زندہ ہے۔

(۵۱) **کندوئی**: حضرت **خواجہ معین الدین چشتی** رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک بزرگ **حضرت داؤد چشتی** رحمتہ اللہ علیہ جہان آباد' ارول روڈ پر واقع موضع کندوئی میں تشریف لائے اور سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں آپکی خانقاہ ایک زمانے تک کار رشد و ہدایت انجام دیتی رہی۔ اب ناپید ہے۔

مذکورہ بالا خانقاہیں فیوض روحانی اور تعلیم دینی کیلئے اپنے اپنے زمانے میں بہت ممتاز رہی ہیں۔ ان میں تصنیف و تالیف کے علاوہ اخوت اور بھائی چارگی' انسانیت و مروت اور حسن اخلاق کی تعلیم دی جاتی رہی ہے۔ یہ خانقاہیں تہذیبی اور سماجی اصلاح کے علاوہ آپسی اتحاد و اتفاق کیلئے پیش پیش رہی ہیں۔ لیکن جب ملت پر زوال آیا تو یہ خانقاہیں بھی انحطاط کی طرف مائل ہو گئیں۔ سجادہ نشین یا تو گوشہ گیر اور خلوت نشین ہو گئے یا مادہ پرستی کے خوگر اور دنیادار۔ نتیجتاً ان مراکز رشد و ہدایت سے وہ روشنی پھوٹنی بند ہو گئی جس کیلئے انکی شہرت تھی۔ پھر بھی وقتاً فوقتاً ان ہی خاکستروں میں کوئی دبی ہوئی چنگاری چمک اٹھتی ہے اور ان برسے ہوئے بادلوں کی خوابیدہ بجلیاں شب تار میں لہرانے لگتی ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ اجمالاً عرض کیا گیا' قدرے تفصیل کا طالب ہے چنانچہ مشائخ بہار کا تذکرہ اگلے اوراق میں کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ان کے احوال اور سرگرمیوں پر مستند واقفیت بہم پہنچے اور اندازہ ہو سکے کہ ہمارے بزرگوں نے کیا کچھ کیا ہے اور ان کے حالات ہمیں کیا پیغام دے رہے ہیں۔ کاش کہ ہم سن سکتے' سمجھ سکتے!

✪✪✪✪✪✪✪

تذکرہ مشائخ بہار

(چھٹی صدی ہجری تا ساتویں صدی ہجری)

حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ

قافلہ اسلام کے ایک نفری ہراول کے طور پر حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ صوبہ بہار پہنچے اور یہاں کے مشہور قصبہ منیر میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ تبلیغ واشاعت دین کے لئے تشریف لائے تھے یا تجارت کی غرض سے آئے تھے یا سلطان وقت کے فرستادہ تھے اور جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لئے آئے تھے، یقینی طور پر معلوم نہیں مقامی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ

"ایک مسلمان بزرگ (حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ) تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار گھومتے پھرتے ہندوستان تشریف لائے اور بہار میں وارد ہوئے۔ منیر کو اپنے تبلیغی کام کے لئے پسند فرمایا اور یہاں اپنا کام شروع کیا۔"

(جادۂ عرفاں صفحہ نمبر ۱۶۱)

جناب نجم الحسن نے اپنی تالیف 'اشراف عرب' میں یہ تحریر کیا ہے کہ آپ یمنی تاجر تھے، کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور کپڑے بنتے بھی تھے۔ ساتھ ہی تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ لیکن اس روایت کا ماخذ جناب نجم الحسن نے نہیں بتایا ہے۔

منیر شریف کے کتب خانہ میں ایک نوشتہ ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ:

"مومن عارف شاید محمود غزنوی کی طرف سے خراج وصول کرنے کے لئے آئے ہوں...... شہاب الدین غوری کے وقت

خاندان غزنویہ بالکل مٹ گیا۔(اور)نگرکوٹ وغیرہ کے
راجاؤں کی طرح منیر کا راجا بھی بے خوف ہو کر منحرف ہو گیا
اور مومن عارف کو خلاف دستور پادشاہاں قتل تو کر ہی نہیں
سکا۔مگر چاہتا تھا کہ وہ اس کی عملداری سے نکل جائیں اور چونکہ
اس وقت تک ادھر پورب میں کوئی مسلمان بادشاہ نہ آیا تھا۔ان
کا کوئی معین ومددگار بھی نہ تھا۔اس لئے حالت اضطراری میں
بارگاہِ رسالت میں فریادی ہوئے۔"

(جادۂ عرفاں صفحہ نمبر ۱۶۲۔۱۶۱)

حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف
'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت' میں حضرت مومن عارف کی شخصیت پر اس
طرح روشنی ڈالی ہے۔

"منیر میں ایک راجہ تھا کہ اپنے مذہب میں سخت اور بڑا ظالم
تھا۔اور اوس کا بڑا علاقہ تھا اور اوس کے علاقہ بھر میں ایک ہی
گھر مسلمان کا جن کا نام مومن عارف تھا اور قبران کی منیر میں
ہے۔وہ مرد کامل اور صاحب کرامات تھے۔راجہ ان پر طرح
طرح کے ظلم اور سختیاں کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اس کی
عملداری سے نکل جائیں اور وہ ایسے بزرگ تھے کہ پنج وقتی نماز
بیت اللہ میں جاکر ادا کرتے تھے۔جب راجہ کا ظلم حد سے زیادہ
ہوا وہ مدینہ میں گئے اور روضۂ منورہ پر جاکر استغاثہ کیا۔اوس
رات کو امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کہ شہر بیت المقدس
محلّہ قدس خلیل میں رہتے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کو خواب میں دیکھا اور فرمان جہاد صادر ہوا.........۔"

حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بیان کردہ روایت کا ماخذ گو کہ
درج نہیں کیا ہے۔لیکن یہ ظاہر ہے کہ انھیں یہ روایت اپنے بزرگوں سے

سینہ بہ سینہ پہنچی ہے اور انکا محتاط انداز تحریر یہ بتارہا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے غیر ضروری باتوں کو چھانٹ کر صرف اسی قدر تحریر کیا جو یقینی ہے۔

الغرض حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ پہلے مسلمان صاحب کرامت بزرگ تھے جو بہار کے قصبہ منیر میں ۵۷۶ھ کے پہلے ہی تشریف لائے۔ وہ یہاں کب آئے اور کس سلسلے میں آئے تھے یقینی طور پر معلوم نہیں ہے۔ بہر حال منیر کے راجا کے ظلم و ستم سے تنگ آکر انہوں نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا اور روضۂ انور پر حاضر ہو کر استغاثہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ایں طور آپ کی مدد فرمائی کہ خواب میں حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کو جہاد کا فرمان صادر کیا بعد کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف حکم نبوی کے تحت عازم منیر ہوئے اور راجا سے جنگ ہوئی۔ منیر فتح ہوا اور صوبہ بہار میں مسلمانوں کی آمد کا دروازہ کھل گیا۔ اس اعتبار سے حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت نہایت اہم ہے کہ آپ ہی کے سبب صوبہ بہار میں اہل اسلام آئے اور کفر کے تاریک ماحول میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ اللہ کی رحمت آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے عقب میں بہار تشریف لائے۔

حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: محمد' نام۔ تاج فقیہہ' لقب۔

فقیہہ زمانہ گزشتہ میں عالم دین کو کہتے تھے۔ آپ کے نام کے ساتھ فقیہہ کے لقب پر امام کے اضافے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے بہت ہی بڑے عالم دین تھے بلکہ علماء کے درمیان آپ کی حیثیت مشارُالیہ کی تھی۔ تاج کے لقب کے متعلق بزرگان منیر کی روایت یہ ہے کہ آپ جب خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ کو جہاد کا حکم ہوا تو ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سر پر ایک تاج بھی رکھا۔ بیداری کے بعد آپ نے اپنے سر پر اس تاج کو پایا۔ یہ تاج آج بھی خانقاہ منیر شریف میں محفوظ ہے۔ اور ۱۲ ربیع الاوّل کے موقع پر اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

وطن مالوف: بیت المقدس کا محلہ قدس خلیل۔ آج کل یہ محلہ مستقل ایک شہر بن چکا ہے۔ اور بیت المقدس سے تقریباً ۱۵ یا ۱۶ میل پر واقع ہے اور الخلیل کے نام سے موسوم ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار اسی شہر میں واقع ہے اور اسی مناسبت سے شہر کا نام الخلیل ہے۔

نسب: آپ ہاشمی النسب ہیں۔ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف '**وسیلہ شرف و ذریعہ دولت**' میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کا نسب بیان کرتے ہوئے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح تحریر کیا ہے۔

"حضرت امام محمد تاج فقیہہ بن مولانا ابو بکر بن ابوالفتح بن ابوالقاسم بن ابوالصائم بن ابودہر بن ابواللیث بن ابو سہمہ بن ابودین بن ابو مسعود بن ابوذر بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔"

(وسیلۂ شرف وذریعہ دولت صفحہ نمبر ۷۰۔۶۹)

فتح منیر: ایک بزرگ حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہوکر منیر کے راجا کے ظلم وستم کے خلاف فریاد کیا اور آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں منیر کے راجا کے خلاف جہاد کا حکم فرمایا اور حضرت موصوف بلا تاخیر عازم منیر ہوئے۔ مسلمانوں کی خاصی تعداد ساتھ ہو گئی۔ جس راستے سے گزر ہوتا لوگ عزم جہاد سن کر ساتھ ہو جاتے۔ بعض بادشاہوں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آپ کی مدد کا حکم دیا اور انہوں نے اپنے عزیزوں کو مع لشکر موصوف کے ساتھ کر دیا۔ جیسا کہ حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف **'وسیلہ شرف وذریعہ دولت'** میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"تاج الدین کھانڈ گاہ اور میر علی ترک 'لر یک شہید شاہزادوں سے ہیں اور میر سید جعفر اور میر سید مظفر بھی سرداروں سے تھے۔ اور سالار کل افواج حضرت قطب سالار علمبر دار ربانی تھے جن کا مزار مہنداواں میں ہے۔ الغرض جب لشکر اسلام اوس کے ملک پر پہونچا وہاں سے جہاد شروع ہوا جب غازیان دین بفتح وفیروزی قریب منیر پہنچے وہاں کا راجہ اپنے اہل وعیال کو لے کر کہیں فرار کر گیا۔ پھر اوس کی خبر معلوم نہ ہوئی۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ راہ میں کسی غازی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ الغرض بفتح وظفر منیر میں پہنچے اور علم اسلام نصب کیا اور رواق میں جو ایک پتھر کا مُتکا ہے اور تکیہ بولا جاتا ہے امام محمد تاج فقیہہ اوس پر تکیہ لگا کر بیٹھے اور تلوار دھوئی۔ بڑی درگاہ جہاں

حضرت مخدوم شاہ یحیٰ منیری کا مزار ہے کوئی پرستش کی جگہ تھی
غازیوں نے بتوں کو توڑا اور اوس کے دروازے پر جو ایک تصویر ہے
پتھر کی اوس کو شکستہ کر کے جہاد کی نشانی چھوڑی۔ قطعہ تاریخ

یافت چوں بر راجہ منیر ظفر — داد امام از دیں جہانے رانوی
ہست منقول از بزرگان سلف — سال آں دین محمد شد قوی

۵۷۶ھ

شہیدوں کے نام جو مشہور اور کرسی نامہ میں مسطور ہیں یہ ہیں۔
علوی شہید میر سید علی ترک، لربک شہید، تاج شہید، معصوم شہید، چندن شہید، جنید شہید، الحق شہید، یعقوب شہید، یوسف شہید، پہلو شہید، صوفی شہید، شاہ عبدالمغنی شہید، شاہ عبدالسبحان شہید، قبول شہید، دوست محمد شہید، علاء الدین شہید، سید جلال شہید، شیرو شہید، سید روشن علی شہید، شاہ غلام حسین شہید، مصطفیٰ خاں شہید، یوسف بیگ شہید، شیخ عاصم شہید، داؤد شہید رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حاصل کلام حضرت امام محمد تاج فقیہہ کا دل اس کفرستان میں نہ لگا۔ بعد فتح صاحبزادوں کو اپنی جگہ پر چھوڑ کر وطن کی طرف مراجعت کی۔ صاحبزادے تین تھے۔ مخدوم شاہ اسرائیل، مخدوم شاہ اسماعیل اور مخدوم شاہ عبدالعزیز اور بعضے کہتے ہیں کہ مخدوم شاہ یحیٰ منیری کی ولادت وطن ہی میں ہوئی تھی۔ آپ اپنے جد امجد کے ساتھ آئے تھے اور مخدوم شاہ رکن الدین مرغیلانی مخدوم شاہ یحیٰ منیری کے اوستاد ہیں۔ آپ بھی ساتھ آئے تھے اور ایک رسالہ میں جو کسی بزرگ نے حضرت مخدوم شاہ شعیب علیہ الرحمہ کے احوال میں لکھا ہے یوں مسطور ہے کہ:

"امام محمد تاج فقیہہ نے بحکم رسول اللہ صلی علیہ وسلم محلّہ قدس خلیل سے کہ بیت المقدس کے محلوں سے ہے آکر منیر"

میں دین اسلام جاری کیا۔ شرافت ' حسب و نسب اور کمالات
کسب کا آپ کے کب بیان ہو سکتا ہے کہ تمام بہار اور اوس کے
اطراف و اکناف میں آپ کی اولاد سے بزرگان صاحب ولایت
ہیں اور آپ اپنے ساتھ تین بیٹوں کو لئے ہوئے آئے اور ان کو
اپنی جگہ پر چھوڑا اور ملک کو تقسیم کر دیا۔ سرکار بہار مخدوم شیخ
اسرائیل کو اور سرکار ترہت مخدوم اسماعیل کو بخشا اور مخدوم شیخ
عبدالعزیز کو شیخ اسرائیل کے سپرد کیا اور فرمایا کہ یہ تمہارا
چھوٹا بھائی ہے ۔ تم اس کے باپ کی جگہہ ہو۔ عبدالعزیز
تمہارے حصہ میں شریک ہے۔ آپ نے بدل و جان قبول
کیا۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ ہندوستان میں رہو اسلام جاری کرو اور
خلق خدا کو نیکی کی راہ دکھاؤ۔ میں مدینہ منورہ میں آستانہ معظمہ
پر جاتا ہوں۔"

(وسیلہ شرف و ذریعہ دولت تالیف
حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری صفحہ نمبر ۷۵۔۷۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد تاج
فقیہہ نے جنگ میں منیر کے راجا کو شکست دینے کے بعد ملک کی سیاسی باگ ڈور
اپنے بیٹوں کے سپرد کی نیز انہیں تبلیغ و اشاعت دین کی وصیت فرمائی اور خود
واپس لوٹ گئے۔ '**وسیلہ شرف و ذریعۂ دولت**' میں آگے تحریر ہے کہ
حضرت مخدوم شاہ یحییٰ منیری بن حضرت مخدوم شاہ اسرائیل کے زمانے میں
جب ایک بادشاہ غازی و مجاہد (اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی) نے ۵۹۵ھ میں
بہار پر تاخت کی تو حضرت نے ملک کی سیاسی باگ ڈور اسے سونپ دیا۔

اولاد امجاد: حضرت امام محمد تاج فقیہہ علیہ الرحمہ کے تین صاحبزادگان
تھے۔ (۱)**حضرت مخدوم شاہ اسرائیل** بڑے صاحبزادے تھے۔ انکے
صاحبزادے حضرت مخدوم یحییٰ منیری ہیں۔ حضرت اسرائیل کا مزار بڑی درگاہ

منیر شریف میں حضرت مخدوم یحییٰ منیری کے بائیں جانب دو مزار کے بعد ہے۔

(۲) **حضرت مخدوم شاہ اسماعیل** منجھلے بیٹے تھے۔ آپ کے صاحبزادے صلاح الدین تھے اور ان کی اولاد میں حضرت شیخ قاضن شطاری مشہور شطاری بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا مزار شاہ اسرائیل کے مزار کے بعد ہے۔

(۳) **حضرت شاہ عبدالعزیز** چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ ہی کے صاحبزادگان مخدوم جلال منیری اور سلیمان لنگر زمین ہیں۔ آپ کا مزار شاہ اسمعیل کے بغل میں ہے۔

شخصیت: حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین اور مجاہد تھے۔ فتح منیر آپ کے مجاہدانہ کارنامے کا تابندہ ثبوت ہے۔ آپ کی اولاد میں علماء، صلحا، اور صوفیاء کی بڑی تعداد ہوئی۔ جنہوں نے تبلیغ واشاعت دین کا فریضہ وسیع پیمانے پر انجام دیا۔ اللہ کی رحمت ان پر اور ان کی آل واولاد پر۔

✪✪✪✪✪✪✪✪

حضرت مخدوم شاہ رکن الدین مرغیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

نام: رکن الدین

وطن مالوف: مرغیلان۔ یہ مقام غالباً بیت المقدس کے اطراف میں واقع ہے۔

ورود بہار: جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر آپ حضرت امام محمد تاج فقیہہ کے ہمراہ ہو گئے اور ۵۷۶ھ کے اس جہاد میں سرگرم حصہ لیا۔ جس کے نتیجے میں منیر فتح ہوا۔ آپ نے بھی حضرت مخدوم اسرائیل، مخدوم اسماعیل اور مخدوم عبدالعزیز، حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں کے ساتھ منیر میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آپ کا مزار بھی منیر میں مرجع خلائق ہے۔

پایہ علمی: آپ معقولات و منقولات کے زبردست ماہر اور عالم دین تھے۔ آپ کی خدا ترسی اور تبحر علمی کے پیش نظر حضرت مخدوم اسرائیل نے اپنے صاحبزادے حضرت مخدوم احمد یحییٰ منیری کو آپ کی تعلیم و تربیت میں دیا تھا۔ حضرت رکن الدین مرغیلانی کو بہار میں وارد ہونے والے علمائے دین میں اولین حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے حالات زیادہ تر پردۂ اخفا میں ہیں۔ چند باتیں جو معلوم ہوئیں ان کا ذکر کیا گیا۔

✪✪✪✪✪✪✪✪

حضرت قاضی شیخ شہاب الدین پیر جگجوت

رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: شہاب الدین ٗنام۔ پیر جگجوت ٗلقب

وطن مالوف: کاشغر۔ یہ شہر ایک زمانے میں وسط ایشیا کا مشہور شہر تھا۔

سالِ ولادت: آپکی ولادت باسعادت ۵۷۰ھ میں بمقام کاشغر ہوئی۔

سلسلۂ نسب:

حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید محمد تاج بن سلطان سید احمد بن سلطان سید ناصر بن سلطان سید یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسمٰعیل بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمتہ الزہرا ابنت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔

ورود بہار: آپ ۶۰۰ھ کے آس پاس بہار تشریف لائے۔ اور پٹنہ سے آٹھ میل دور موضع عالم پور جیو ٹھلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اکثر تذکروں میں آپ کے نام کے ساتھ **'قاضی'** لکھا ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے ۵۹۵ھ میں صوبہ بہار پر قبضہ کر لیا تو معاملات کے تصفیہ کیلئے قاضی کی ضرورت در پیش ہوئی ہو گی۔

چنانچہ آپ کو دعوت دی گئی اور آپ قاضی کی حیثیت سے بہار تشریف لائے۔

فضائل و کمالات: کہا جاتا ہے کہ آپ کو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ارادت و خلافت تھی۔ اور ان کو حضرت خواجہ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردیؒ اور ان کو حضرت خواجہ ابو حفص عمر وجیہ الدین سے۔ صوبہ بہار میں آپ پہلے سہروردی بزرگ ہیں۔ آپ سے رشد وہدایت اور علم تصوف کی ترویج بڑے پیمانے پر ہوئی۔ آپ زیادہ تر عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ کثرت سے طے کے روزے رکھتے اور لوگوں سے اخلاق و محبت سے پیش آتے۔ آپ کا آستانہ بلا تفریق مذہب وملت سب کے لئے کھلا رہا اور ہے۔ آپ کے در پر جو گیا بے فیض نہیں پھرا۔

تعلیمات: عاجزی وانکساری اور پابندی شریعت آپکی تعلیم کے اہم اور بنیادی نکات تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ جو شخص شریعت پر گامزن رہے گا وہی طریقت کی منزل پر پہنچیگا اور وہی سلوک کی راہ آسانی سے طے کر سکتا ہے۔

آلِ واولاد: صوبہ بہار کا قدیم صوفی خانوادہ حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت ہی کی نسل سے ہے۔ حضرت کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ اور سب کی سب ولیہ کاملہ تھیں۔

(۱) بڑی بیٹی حضرت **بی بی رضیہ عرف بڑی بوا** رحمتہ اللہ علیہا کی شادی امام محمد تاج فقیہہ کے پوتے حضرت مخدوم احمد یحیٰی منیری بن شاہ اسرائیل سے ہوئی تھی جن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ عظیم المرتبت فردوسی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری آپ ہی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔

(۲) منجھلی بیٹی حضرت **بی بی حبیبہ** رحمتہ اللہ علیہا کی شادی حضرت مخدوم سید موسیٰ ہمدانی سے ہوئی جن سے مشہور سہروردی بزرگ مخدوم احمد چرم پوش ہوئے۔

(۳) منجھلی بیٹی حضرت **بی بی ھدیہ عرف بی بی کمال** رحمتہ اللہ علیہا کی شادی حضرت امام محمد تاج فقیہہ کے دوسرے پوتے حضرت سلیمان لنگرزمین بن عبدالعزیز سے ہوئی جن سے ایک بیٹا مخدوم عطاء اللہ اور ایک بیٹی بی بی کمال ہمنام والدہ (المعروف بہ بی بی دولت) ہوئیں۔ جلیل القدر سہروردی بزرگ حضرت حسین دھکڑپوش آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

(۴) چھوٹی بیٹی حضرت **بی بی جمال** رحمتہ اللہ علیہا کی شادی حضرت مخدوم آدم صوفی (مرید و خلیفہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر) کے صاحبزادے شیخ حمید الدین (پکی درگاہ جیو ٹھلی) سے ہوئی۔ ان سے حضرت مخدوم یتیم اللہ سفید باز رحمتہ اللہ علیہ ہوئے۔

وفات: آپ ۲۱رذی قعدہ ۶۶۶ھ کی صبح اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور موضع عالم پور جیو ٹھلی میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار خام دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے اور پکی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ

نام: آدم
لقب: صوفی
وطن: مشہد مقدس
سال ولادت: ۵۸۴ھ میں صوبہ بہار کے حاجی پور میں پیدا ہوئے۔
سلسلہ نسب:

حضرت آدم صوفی بن سید ابراہیم بن سید جلال بن سید حسن بن سید محمود بن سید ابراہیم ادھم بن سید سلیمان بن سید ناصر بن سید محمد بن سید یعقوب بن سید احمد بن سید اسحٰق بن سید امام عمر بن محمد صوفی بن امام قاسم بن علی اصغر بن عمر اشرف بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(اعیان وطن صفحہ نمبر)

ورود بہار: آپ کے جد امجد حضرت سید جلال الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور مشہد مقدس کے رہنے والے تھے۔ حکم پیر کے تحت لاہور تشریف لائے اور آپ کے صاحبزادے سید ابراہیم چشتی نے لاہور سے صوبہ بہار کے قصبہ حاجی

پور میں سکونت اختیار کرلی۔ یعنی اس جگہ مقیم ہوئے جہاں آج حاجی پور آباد ہے۔اوران کے صاحبزادے حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ موضع عالم پور جیو ٹھلی چلے آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

بیعت وارشاد : حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ کواپنے پدر بزرگوار سے بیعت حاصل تھی اورانھیں اپنے والد حضرت سید جلال الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے اورانھیں حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ سے

(بحوالہ اعیان وطن مولفہ حکیم سید محمد شعیب پھلواروی)

لیکن خانقاہ رشیدیہ جون پور کے پانچویں صدی ہجری کے بزرگ حضرت غلام ارشد جون پوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات ('گنج فیاضی مخطوطہ......') میں آپ کو حضرت بابافریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کامرید و خلیفہ لکھا ہے۔اس اعتبار سے آپ کا سلسلہ ارادت اس طرح ہے۔ حضرت آدم صوفی عن حضرت بابافریدالدین گنج شکر عن حضرت قطب الدین بختیار کاکی عن حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہم۔ہرحال میں آپ بہار میں سلسلہ چشتیہ کے اولین بزرگوں میں ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت رحمتہ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل کیاہے۔

خلفاء مجازین: آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم شاہ حمیدالدین

حضرت مخدوم شاہ حمیدالدین۔

اولاد: ↑

وفات و مدفن: بعمر ایک سوتیرہ سال ۶۹۷ھ میں انتقال فرمایا اور موضع جیو ٹھلی میں مدفون ہوئے۔آپ کا مزار پکی درگاہ کے نام سے مشہور ہے اور زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

حضرت مخدوم یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ

نام: یحییٰ

وطن: پیدائش بیت المقدس کے محلہ قدس خلیل میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والد اور جد امجد کے ہمراہ بہار آئے۔ اور والد کے زیر سایہ قصبہ منیر میں رہے۔ اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپکے نام کے ساتھ منیری جڑا ہوا ہے۔

ورود بہار: حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ بہار میں مجاہدانہ وارد ہوئے اور ۵۷۶ھ میں منیر فتح کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے تینوں صاحبزادگان اور پوتے حضرت یحییٰ بھی تھے۔ حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ اپنی تالیف 'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر ۷۶' میں تحریر فرماتے ہیں کہ

> "بعضے کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم شاہ یحییٰ منیری کی ولادت وطن ہی میں ہوئی تھی۔آپ اپنے جد امجد کے ساتھ آئے تھے۔"

سلسلہ نسب: آپ ہاشمی النسب حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسرائیل کے صاحبزادے تھے۔

تعلیم و تربیت: آپکی آنکھ مبلغین اسلام اور مجاہدین کی گود میں کھلی اور پرورش و پرداخت میدان جہاد اور تلوار کے سایہ میں ہوئی۔ حضرت مخدوم

شاہ رکن الدین مرغیلانی جیسے متبحر عالم دین نے علمی مراحل طئے کرائے اور پدر بزرگوار حضرت اسرائیل نے جہانبانی کے طریق سکھائے۔اس طرح حضرت مخدوم احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد کے لائق جانشین بنے۔

جہانبانی: حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ نے منیر فتح کرنے کے بعد ملک کو تقسیم کر دیا تھا اور سرکار بہار اپنے بڑے بیٹے حضرت اسرائیل کے حوالے کر دیا تھا۔ انکے بعد یہ علاقہ حضرت مخدوم احمد یحیٰ منیری کے تصرف میں آیا۔ ۵۹۵ھ میں جب اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے بہار پر تاخت کی تو اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت نے سلطنت اس کی نذر کی اور خود یاد الٰہی میں مشغول اور رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے۔

رشدوھدایت: 'اخبار الاصفیا در احوال الاولیا' مصنفہ عبد الصمد بن افضل محمد بن یوسف الانصاری (قلمی فارسی مکتوبہ ۱۸۰۰ء اورینٹل لائبریری پٹنہ صفحہ نمبر ۳۴) میں تحریر ہے کہ

"شیخ یحییٰ بن اسرائیل منیری نوراللہ مرقدہ جدش از قدس خلیل بمنیر آمدہ علم اسلام زدو بوطن مراجعت نمود۔ سراج المجد از اثار اوست ۔ وشیخ از متقدمین واکابر وقت بود۔ ارشاد از شیخ شہاب الدین سہروردی دارد و ہم از شیخ نجم الدین فردوسی۔ "**تزکرۃ الکرام**" اور "**مراۃ الکونین**" میں بھی آپ کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہرودی کا مرید و خلیفہ تسلیم کیا ہے۔

حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ '**وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر** ۱۲' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شیخ یحیٰ 'شرف الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ کے والد 'مولانا تقی الدین عربی ساکن خطہ مہسوں صاحب '**انتخاب احیائے علوم**' سے اعتقاد رکھتے تھے شاید ارادت بھی مولانا مذکور سے ہوئی ہو......۔"

مندرجہ بالا **اقتسابات** سے یہ **معلوم** ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کو سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھی، خواہ براہ راست

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر یا حضرت تقی الدین مہوی کے ہاتھ پر۔ آپ بہار میں سلسلہ سہروردیہ کے دوسرے بزرگ ہیں (پہلے بزرگ آپ کے خسر محترم شیخ شہاب الدین پیر جگجوت تھے) آپ نے رشد وہدایت کے لئے منیر میں ایک خانقاہ بھی قائم کی تھی۔ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ "وسیلۂ شرف و ذریعہ دولت" میں رقمطراز ہیں۔

"......... بادشاہ غازی خرچ خانقاہ وغیرہ کے لئے چند مواضع آپ کے متعلق کر گئے........"

حضرت مخدوم سے سلسلہ سہروردیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ کتنے ہی گمگشتگان راہ آپ کے ذریعہ راہ یاب ہوئے۔

خلفاء: حضرت مخدوم جلیل الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ آپکے بڑے صاحبزادے کو اپنے والد حضرت مخدوم یحیٰ منیری سے خلافت حاصل تھی۔

شادی اور اولاد: آپ کی شادی عظیم آباد کے قدیمی بزرگ حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت کی بڑی صاحبزادی رضیہ عرف بڑی بوا سے ہوئی۔ جن کے بطن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) بڑے بیٹے **حضرت مخدوم جلیل الدین احمد** مرید حضرت نجیب الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ اور خلیفہ پدر بزرگوار۔

(۲) دوسرے صاحبزادے **حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد** مرید و خلیفہ حضرت نجیب الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ۔

(۳) تیسرے صاحبزادے **حضرت مخدوم خلیل الدین احمد** مرید حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد۔

(۴) چھوٹے صاحبزادے **حضرت مخدوم حبیب الدین احمد** مرید حضرت مخدوم جہاں۔

(۵) صاحبزادی **بی بی ماہ خاتون** زوجہ میر شمس الدین مارثندارنی۔

وصال: آپ کا وصال بروز پنجشنبہ ۱۱؍ شعبان ۶۹۰ھ بمقام منیر شریف ہوا۔ آپ کا مزار بڑی درگاہ کے نام سے مشہور اور مرجع خلائق ہے۔ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ کو ایک پارینہ کتاب کے کرم خوردہ ورق پر ایک شعر ملا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ قطعہ تاریخ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اس شعر کو بجائے مطلع رکھا اور قطع تاریخ لکھی جو درج ذیل ہے۔

قطب اقطاب زماں مخدوم یحییٰ بادشاہ
چوں زتخت ظاہری درخلوت باطن نہفت
آنکہ برپیرایۂ الفقر فخری نازداشت
ترک شاہی کرد و باشا ہے مجاہدداد مفت
شدد دو تاریخش زالقاب شریفش خودعیاں
کاں یکے مخدوم دیگر تارک دیہیم گفت
۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

حضرت سید موسیٰ ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

نام: سید موسیٰ

وطن مالوف: ہمدان ' ایران کا ایک شہر

سلسلہ نسب:

سید موسیٰ ہمدانی بن سید مبارک (شارک) بن خضر بن ابراہیم بن سلیمان بن عبدالکریم بن عبدالحکیم بن عبدالمشکور مدنی بن نعمت اللہ مدنی بن عبدالمجید بن عبدالرحیم بن عبدالاسحٰق بن عبدالرحمٰن بن ابوالقاسم بن نورالدین بن یوسف بن رکن الدین بن علاء الدین بن یحییٰ بن زکریا بن حسن بن شاہ قریشی بن محمد عمر بن امام عبداللہ بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہرا بنت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حالات: کہا جاتا ہے کہ آپ ایران کے شہر ہمدان کے رہنے والے تھے۔ اور ہمدان کے صاحبان ثروت واقتدار میں آپکا شمار ہوتا تھا۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے آپکو ہمدان کا حکمران بھی لکھا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ نوشتہ تقدیر نے اپنا کام کیا اور آپ نے عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ کر راہ فقر اختیار کی۔ وجہہ سکون دل کی جستجو میں نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ بالآخر ہندوستان کا رُخ کیا اور حضرت مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت کی صحبت اختیار کی اور ہمیشہ کیلئے ہندوستان کے ہو رہے۔

شادی واولاد: آپکی شادی بی بی حبیبہ بنت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت سے ہوئی جنکی بطن سے تین صاحبزدگان سید احمد ' سید محمد اور سید محمود پیدا ہوئے۔ سید احمد سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ انکا لقب چرمپوش تھا۔

مزار: آپ کا سن وفات تو معلوم نہیں ہے لیکن آپ کا مزار کہا جاتا ہے کہ بہار کے محلّہ انبیر کے جوار میں واقع ہے۔ اور لوگ حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ

نام: جلال

وطن: منیر، صوبہ بہار کا مشہور تاریخی قصبہ

سلسلہ نسب: آپ حضرت عبدالعزیز بن امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ مکمل سلسلہ نسب حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اشاعت دین: آپ مجاہد جلیل اور عظیم المرتبت مبلغ اسلام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ ذوق جہاد اور شوق اشاعت دین آپکو ورثہ میں ملا تھا۔ جہاد بالسیف کا دور تو گزرچکا تھا۔ لہذا فرمان نبوی کے تحت آپ تازندگی جہاد بالنفس اور اشاعت دین میں مشغول رہے۔ آپ کے ہاتھوں پر بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

شادی اوراولاد: آپ کی شادی بی بی **ملکہ سعد** بنت مخدوم ابراہیم بن شیخ اسمٰعیل بن حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی تھی جن کی بطن سے حضرت مخدوم شاہ شعیب تھے۔ آپ کے نانیہالی بزرگ شیخ پورہ سے کچھ دور موضع کجانواں میں متوطن تھے۔

وفات اور مدفن: آپ کا وصال حضرت مخدوم شاہ شعیب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانۂ طفولیت میں ہوا۔ سن وفات اندازاً ۶۹۰ھ ہے۔ آپ کی قبر منیر شریف میں تالاب کے پچھم سمت واقع ہے اور بڑی درگاہ جس میں حضرت مخدوم یحیٰ منیری کا مزار ہے ٹھیک اس کے سامنے ہے۔

حضرت شیخ سلیمان لنگر زمین رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: سلیمان' نام۔ لنگر زمین' لقب

وطن: منیر شریف' صوبہ بہار کا مشہور قصبہ

سلسلہ نسب: آپ حضرت عبدالعزیز بن امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ امام تاج فقیہہ کے تذکرہ میں اوپر کا نسبی سلسلہ دیکھا جا سکتا ہے۔

ہدایت رسانی: آپ حضرت جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ کے سگے بھائی تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق تاحیات بنی نوع انسان کی ہدایت کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔ کفر و شرک میں ملوث جانے کتنے ہی لوگ آپ کی کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اللہ کے بندے اللہ کو پہچانیں اس کی تڑپ نے انھیں وطن میں آرام سے رہنے نہ دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت بی بی کمال نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ اور آپ قصبہ کاکو میں آبسے۔ یہاں 'کوکا' نام کے جادوگر نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی باکمال اہلیہ حضرت بی بی کمال نے عالم غیض میں بہ تصرف باطنی اس بستی کو الٹ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تصرف میں اتنی شدت تھی کہ اس علاقہ کی تمام زمین ہی تہہ و بالا ہو جاتی لیکن حضرت سلیمان کی موجودگی کے سبب ایسا نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے جو آپ کا لقب لنگر زمین پڑا۔ اور اس بستی کا نام کاکو پڑ گیا۔ جو 'کوکا' کی الٹی ہوئی شکل ہے۔

شادی اور اولاد: آپ کی شادی حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت رحمتہ اللہ علیہ کی منجھلی صاحبزادی حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال سے ہوئی جن سے ایک بیٹا حضرت عطاء اللہ اور ایک بیٹی بی بی دولت ہوئیں۔

جلیل القدر سہروردی بزرگ حضرت حسین دھکڑ پوش رحمتہ اللہ علیہ حضرت بی بی دولت کے بیٹے تھے۔

وفات اور مدفن: آپ کی وفات کاکو میں ہوئی اور یہیں آپ کا مزار ہے۔ اور مرجع خلائق ہے۔

حضرت خواجہ احمد سیستانی رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: احمد' نام۔ خواجہ' لقب

وطن: سیستان

حالات: آپ کے حالات زیادہ تر پردۂ اخفا میں ہیں۔ لیکن آپ کا صاحب ولایت ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مزار پر حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ جایا کرتے تھے۔ آپ کب تشریف لائے' معلوم نہیں ہے۔ لیکن اتنا قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ ۵۹۵ھ کے بعد ہی تشریف لائے ہونگے۔ جب بہار مکمل طور پر مفتوح ہو چکا تھا۔ نیز حضرت مخدوم جہاں کا آپ کے مزار پر حاضر ہونا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ چھٹی تا ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔

مزار: آپ کا مزار بہار شریف کے کاغذی محلہ میں ایک گنبد کے اندر واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

حضرت شیخ خضر پارہ دوست قدس سرہٗ

نام و لقب: خضر نام۔ لقب پارہ دوست

حالات: حضرت شیخ خضر پارہ دوست قدس سرہٗ حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت نے آپ کو بہار پہنچ کر رشد و ہدایت کا کام انجام دینے پر مامور کیا تھا آپ پیر کے حکم کے تحت بہار آکر سرگرم عمل ہوگئے۔ آپ نے یہاں ایک خانقاہ بھی قائم کی تھی۔ (یہ بہار میں دوسری چشتی خانقاہ تھی۔ پہلی خانقاہ حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ کی جیو ٹھلی میں قائم ہوئی تھی) حضرت خضر پارہ دوست کی قائم کردہ خانقاہ کی اطلاع حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو انھوں نے یہاں پہنچ کر عقیدت مندوں کی بھیڑ سے دور کچھ دنوں خلوت نشینی اور درس و تدریس کا ارادہ ظاہر کیا اور لوگ آپ کا انتظار کرنے لگے۔ آپ کے آنے میں جب تاخیر ہوئی تو حضرت خضر پارہ دوست نے خبر دی کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے جواباً کہلا بھیجا کہ جس وجہ سے بہار کا ارادہ تھا اب تو وہاں بھی وہی ہے۔ اب جانے سے کیا فائدہ؟ اسی چشتی خانقاہ یا چشتی خانہ کی یادگار بہار شریف کا محلّہ چشتیانہ ہے۔

تذکرہ مشائخ بہار

(ساتویں صدی ہجری تا آٹھویں صدی ہجری)

حضرت شیخ حمید الدین رحمتہ اللہ علیہ

نام: حمید الدین

وطن: موضع عالم پور جیو ٹھلی

سلسلہ نسب: آپ حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ کے صاجزادے تھے۔ مکمل سلسلہ نسب حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

رشد وھدایت: آپ کو سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد حضرت آدم صوفی کے ہاتھوں پر بیعت حاصل تھی۔ اور حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت رحمتہ اللہ علیہ کی نرینہ اولاد نہ تھی اسلئے حضرت کی خانقاہ کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کو اٹھانی پڑیں۔ پدر بزرگوار حضرت آدم صوفی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ آپ کے ذمے تھی ہی چنانچہ دونوں خانقاہیں باہم دیگر ضم ہو گئیں۔ جہاں بیٹھ کر آپ نے رشد وہدایت کا زبردست کام کیا۔ آپ نے اشاعت اسلام میں جس جانفشانی سے کام لیا اس کا منہہ بولتا ثبوت جیو ٹھلی اور اس کے نواح کی مسلم آبادیاں ہیں۔ آج بھی لوگ آپکے مزار پر حاضر ہو کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

شادی اور اولاد: آپ کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت کی چھوٹی صاجزادی بی بی جمال سے ہوئی تھی۔ جن کی بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت مخدوم تیم اللہ سفید باز جیساولی کامل فرزند عطا فرمایا۔

وفات اور مدفن: آپ کی وفات ۷۰۰ھ میں ہوئی۔ مزار جیو ٹھلی میں پکی درگاہ کے احاطے میں واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿

حضرت سیّد احمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: سیّد احمد 'نام۔ چرم پوش 'لقب۔ 'مونس القلوب' (مجلس نود و یکم صفحہ نمبر ۴۶۳) میں تحریر ہے کہ (ترجمہ)

"ایک بار شیخ احمد چرم پوش اور شیخ حسین مہوی شیخ سلیمان مہوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کوئی کپڑا نہ تھا۔ شیخ سلیمان نے ان دونوں کو ہشت چیتل دیا کہ دونوں اپنے لئے لباس بنائیں۔ جب دونوں بزرگ شیخ سلیمان کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو اپنے دل میں سوچا کہ اتنے میں دونوں کا لباس نہیں ہوگا۔ پھر شیخ حسین نے دہکرہ خرید لیا اور شیخ احمد نے چرم پہن لیا۔ جب دونوں شیخ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کو یہی کافی ہے۔ اور مبارک باد دی۔"

تب سے شیخ احمد کا لقب چرم پوش پڑا۔

وطن: ہمدان 'ایران کا ایک شہر

سال ولادت: ۶۵۷ھ

سلسلہ نسب: سید احمد چرمپوش بن سید موسیٰ ہمدانی۔

تعلیم و تربیت: آپ کی تعلیم مروجہ نصاب کے مطابق گھر ہی پر ہوئی اور تربیت والدین کے زیر سایہ ہوئی۔ آپکی والدہ بی بی حبیبہ رحمتہ اللہ علیہا حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ ایسی ماں کی گود جس بچے کو نصیب ہو جائے اسکے نصیب ور ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ مشہور صاحب ولایت ہوئے۔

بیعت: آپ کو سلسلہ سہروردیہ میں حضرت علاء الدین علاء الحق

سہر وردی سے بیعت و خلافت حاصل تھی اور انھیں حضرت سلیمان مہسوی سے اور انھیں مولانا شیخ تقی الدین مہسوی سے اور انھیں حضرت خواجہ احمد دمشقی سے اور انھیں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت و خلافت تھی۔ 'مونس القلوب' کی مجلس نود و یکم کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت سلیمان مہسوی کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور ان سے عقیدت رکھتے تھے لیکن مرید حضرت سلیمان مہسوی کے مرید و خلیفہ حضرت علاء الدین علاء الحق سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئے۔

رشد و ھدایت: حضرت شیخ احمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ نے دور دور تک تبلیغ اسلام کے لئے بادیہ پیمائی کی۔ تبت جیسے دور دراز علاقے میں تبلیغ واشاعت دین کی خاطر ہر طرح کی صعوبت جھیلتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اور کفر و شرک کے گھٹاٹوپ میں شمع ایمان و اسلام روشن کی جس سے نہ جانے کتنے خوش بختوں نے کسب نور کیا۔

کشف و کرامات: آپ سے کشف و کرامات بہت ظاہر ہوئے۔ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے **'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت'** میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"ایک بار ایک مرد کئی مکھیاں مری ہوئی آپ کے (حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کے) آگے لایا اور بولا کہ الشیخ یحی ویمیت یعنی شیخ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ فرمائیے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں۔ فرمایا کہ میں خود درماندہ ہوں دوسرے کو کیا زندہ کروں۔ وہ مرد شیخ احمد چرم پوش کے پاس گیا۔ شیخ احمد چرم پوش نے کہا کہ یہ بھید خدا نے شیخ شرف الدین کو دیا ہے ہم نہیں کر سکتے۔ مکھیوں کو فرمایا اُڑ جا مکھیاں اُڑ گئیں۔ اس مرد نے کہا یحی معائنہ کیا۔ یمیت بھی معائنہ کروں۔ فرمایا جا راہ میں معائنہ کرے گا۔ جب وہ شخص پھر چلا راہ

میں کسی چار پایہ نے اس کو ایسا مارا کہ وہ بے جان ہوا۔"

تصنیف و تالیف اور شعر گوئی: آپ صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ تصوف میں دو ورق کا رسالہ توحید میں ہے جس میں مقام ناسوت، ملکوت جبروت اور لاہوت پر سترہ طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔ اس رسالہ کی نقل شاہ علیم الدین بلخی (عالم گنج۔ پٹنہ) کے پاس ہے۔

آپ فارسی کے صوفی شاعر تھے۔ احمد تخلص کرتے تھے۔ اشعار میں تصوف اور معرفت کے اسرار و رموز ہیں۔ آپ کا مکمل دیوان حضرت شاہ محمد ظفر قدس سرہٗ کے پاس تھا۔ غلطی سے آپ کی چند غزلیں احمد جام کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

خلفاء و مجازین: آپ کے خلفاء و مجازین کی لمبی فہرست ہے۔ حضرت شمس بلخی (والد حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ) آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ نیز آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید و خلیفہ و جانشیں تھے۔

اولاد: آپ کے صاحبزادگان حضرت سید سراج الدین اور سید تاج الدین بھی اپنے زمانے کے ولی کامل تھے۔ ان دونوں کے مزارات بھی انبیر کے احاطے میں واقع ہیں۔

وفات: آپ کا وصال ٦٧٧ھ میں ۲٦ر صفر المظفر کو ہوا اور بہار شریف محلہ انبیر میں مدفون ہوئے۔ قطع تاریخ وفات

رفت چوں در خلد شیخ چرمپوش + سال مخدوم یگانہ یافتند

٦٧٧ھ

❁❁❁❁❁❁❁

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: نام 'شرف الدین احمد' لقب 'مخدوم جہاں' حضرت غلام ارشد جونپوری رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ گنج ارشدی حصہ چہارم صفحہ نمبر ب۱۱٦ پر تحریر ہے کہ

"مرتب احقر از بعضے ثقہ وجہ لقب آنحضرت بمخدوم جہاں چنیں استماع یافتہ چوں از مخدوم جہانیاں حضرت میر سید جلال بخاری ملاقات گشت حضرت مخدوم جہانیاں آں طرف مخدوم جہاں دیدہ فرمودند کہ شما مخدوم جہانید و حضرت مخدوم جہاں فرمودند کہ حضرت مخدوم جہانیاں اند۔"

ترجمہ: مرتب احقر نے بعض ثقہ ذرائع سے آنحضرت کے لقب مخدوم جہاں کے متعلق یوں سنا ہے کہ جب مخدوم جہانیاں حضرت میر سید جلال بخاری کی ملاقات (حضرت مخدوم جہاں) سے ہوئی تو (انہوں نے) حضرت مخدوم جہاں کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ "مخدوم جہاں" ہیں اور حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ آپ "مخدوم جہانیاں" ہیں۔

وطن مالوف: صوبہ بہار کا مشہور تاریخی قصبہ منیر شریف۔

سال ولادت: شعبان کی ۲٦/یا۲۹ تاریخ کو ٦٦١ھ میں بمقام منیر شریف پیدا ہوئے۔ 'شرف آگیں' سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

(بحوالہ 'وسیلہ شرف وذریعہ دولت' مولفہ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ)

نسب پدری: حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ

منیری بن حضرت مخدوم یحییٰ منیری بن شیخ اسرائیل بن حضرت امام محمد تاج فقیہہ بن مولانا ابو بکر بن ابوالفتح بن ابوالقاسم بن ابوالصائم بن ابو دہر بن ابواللیث بن ابوسہمہ بن ابودین بن ابو مسعود بن ابوذر بن حضرت زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

نسَب مادری: حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بن حضرت بی بی رضیہ عرف بڑی بوا بنت حضرت قاضی شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید محمد تاج بن سلطان سید احمد بن سلطان سید ناصر بن سلطان سید یوسف بن سید حسین بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید الحق بن سید اسمعیل بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزھرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پرورش و پرداخت: مخدوم جہاں کی پرورش و پرداخت میں ان کی والدہ حضرت بی بی رضیہ عرف بڑی بوا نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ چنانچہ **مناقب الاصفیاء** میں مذکور ہے کہ

"مادر شیخ شرف الدین منیری ایشاں را در آوان بچگی ہیچ وقت بے وضو شیر نہ دادہ است۔"

(ترجمہ : شیخ شرف الدین کی والدہ نے ان کو زمانہ شیر خوارگی میں کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا۔)

پرورش و پرداخت کا یہ محتاط انداز کم ہی دیکھنے سننے میں آتا ہے۔

ولایت کی پیشن گوئی: تذکروں میں مذکور ہے کہ

"آپکی والدہ آپ کو ایک دن گہوارہ میں تنہا چھوڑ کر کسی ضرورت سے چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آئیں تو دیکھا کہ گہوارہ کے پاس ایک مرد بیٹھا مکھیاں ہنکاتا ہے اور گہوارہ ہلاتا ہے۔ آپ (والدہ) ڈریں تو وہ مرد غائب ہو گیا۔ جب خوف دور ہوا تو اپنے والد (شیخ شہاب الدین) کی خدمت میں

حاضر ہوئیں اور کیفیت بیان کی۔انہوں نے فرمایاڈرو نہیں وہ مرد خواجہ خضر تھے صلوٰۃ علیہ ۔ اور وہی گہوارہ ہلاتے تھے اور لڑکے کی حفاظت کرتے تھے۔ تمہارا بیٹا بزرگ ہوگا۔اور خواجہ ہم پر خفا تھے کہ تمہاری بیٹی' بچے کو خالی گھر میں اکیلا چھوڑ کر کہیں چلی گئی۔ایسانہ کیاکریں' نظر آسیب کاڈر ہے۔"

(بحوالہ 'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت')

تعلیم و تربیت : مخدوم جہاں کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ کن کن بزرگوں نے اس میں حصہ لیااسکاذکر تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن اعلیٰ تعلیم جس نابغہ روزگار صاحب علم کے زیر سایہ ہوئی ان کا نام نامی اسم گرامی علامہ شرف الدین ابو توامہ تھا' علیہ الرحمہ والرضوان۔

حضرت علامہ اپنے عہد کے ممتاز عالم اور اجل صوفی تھے۔آپ شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں مسند علم و تدریس کے صدر نشیں تھے اور آپ کی یہ حیثیت زمانہ مابعد تک بلکہ تاحیات قائم رہی۔ آپ کو جو عوامی مقبولیت حاصل تھی اور عقیدت مندوں کا جو سیلاب امنڈا پڑتا تھا اسے دیکھ کر بادشاہ وقت غیاث الدین بلبن کو خطرہ لاحق ہوا کہ ان کی مقبولیت کے سبب کہیں بادشاہ کی اہمیت متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اسی خوف سے اس نے آپ کو سنار گاؤں چلے جانے کا حکم دیا۔ آپ نے تعمیل کی اور عازم سفر ہوئے۔یہ واقعہ غالباً ٦٦٤ھ لغایت ٦٧٣ھ کا ہے۔ سنار گاؤں جاتے ہوئے اثنائے راہ آپ نے منیر شریف میں چندروز قیام فرمایا۔ یہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات آپ سے ہوئی۔ ملتے ہی علامہ موصوف کے وفور علم اور دانش مندی کے فریفتہ ہوگئے۔اور جی میں کہاکہ علوم دین کی تحقیق ایسے ہی محقق کی خدمت و صحبت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ارادہ کیاکہ حضرت علامہ کی معیت میں سنار گاؤں جائیں اور استفادہ علمی کریں۔ خود حضرت علامہ بھی شیخ شرف الدین کی قابلیت اور روش صلاح و تقویٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔اور دل میں کہاکہ علوم دین کی تعلیم میں ایسے شخص کے حق میں بھرپور

کوشش کرنی چاہیئے۔ شیخ شرف الدین نے والدین کے سامنے اپنی خواہش اور ارادہ کا اظہار کیااور ان کی رضامندی اوراجازت سے حضرت علامہ شرف الدین ابو توامہ کے ساتھ سنار گاؤں روانہ ہوگئے۔

سنار گاؤں جسے کبھی سبرناگرام کھاجاتا تھا اس وقت قصبہ نارائن گنج ضلع ڈھاکہ کاایک گمنام گاؤں ھے۔اسکے اطراف میں کثیرتعداد میں مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ھیں۔ اسکے جنگل اور کھنڈر آج بھی اس بات کے شاھد ھیں کہ یھاں کبھی صوفیوں اوردرویشوں کامرکز تھا۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ نے علوم دین کے حصول میں نہایت درجہ کوشش کی۔دن رات مشغول رہتے اور اس مشغولیت کے ساتھ ساتھ ریاضت و مجاہدہ بھی کیا کرتے یہاں تک کہ طے کے روزے بھی رکھتے۔ نہایت مشغولیت کی وجہ کر حضرت علامہ کی کندوری میں حاضر نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ دستر خوان پر حاضر ہونے سے بہت وقت ضائع ہو جاتا ہے۔جب علامہ کو آپ کے احوال معلوم ہوئے تو آپ کے واسطے علیحدہ کھانا مقرر کر دیا۔

حضرت مخدوم جہاں ۶۹۰ھ تک حضرت علامہ کی خِدمت میں رہے یہاں تک کہ علوم دین کی تحقیق ہوئی۔ مشفق استاد نے دوسرے علوم سکھانے کا ارادہ کیا تو آپ نے کہا کہ مجھے یہی علوم دین کافی ہیں۔ **مونس القلوب**'میں ہے کہ مخدوم حضرت علامہ شرف الدین ابو توامہ کے ساتھ سنار گاؤں گئے اور تمام علوم دین کی تحصیل کی۔جب فارغ ہوئے تو حضرت علامہ نے فرمایا کہ میرے پاس کتنے ہی نادر علوم اور بھی ہیں جیسے کہ علم کیمیا' سیمیا' ہیمیا اور علم تسخیر وغیرہ۔وہ بھی حاصل کرلو۔ آپ نے کہا کہ میں نے علم فقہ اور اصول وغیرہ جو حاصل کیا اس کے سبب خود کو ملامت کررہاہوں کہ کیوں اتنا وقت اس میں صَرف کیا اور اپنے پروردگار کی عبادت نہ کی۔اب مجھکو اور علوم کی حاجت

نہیں۔ جب علامہ نے مخدوم کی یہ باتیں سنیں اور یہ ہمت دیکھی تو سات بار آپ کے گرد پھرے اور بولے 'ایسی ہمت کے قربان۔'

حضرت مخدومِ جہاں علیہ الرحمہ نے اپنے استاد حضرت علامہ شرف الدین ابوتوامہ کے متعلق 'خوان پر نعمت' کی مجلس ششم (صفحہ نمبر ۱۰۵) میں بیان کیا ہے کہ "مولانا شرف الدین توامہ این چنیں دانشمندے کہ در تمامت ہندوستان مشارٌ الیہ بود نہ و ہیچ کس رادر علم شبہے نہ بود۔ ایشاں جعد آفریشمی می کردند وازاربند افریشمی می بتنند۔ ایشاں ایں چنیں چیزھا نوستند بعد ازاں ہم دیگرے راھم شاید کہ نبویسد تادرحلت سبق گفتی اگر جائے سخن مشکل شدے درتامل می شدند۔ درحالت تامل جعد را برکشف می آورند و بردست می گرفتند و برآں مشغول می شدند تاآں سخن باتامل حل می شدے۔ بعدہٗ می گزاشتند و آں مشکل رابیان می کردند۔"

ترجمہ : مولانا شرف الدین ایسے دانشمند تھے کہ تمام ہندوستان میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ کسی کو ان کے علم میں کوئی شبہہ نہ تھا۔ آپ ریشمی سربند استعمال کرتے اور ریشمی ازاربند باندھتے تھے۔ انھوں نے ایسی چیزیں لکھی ہیں کہ بعد میں شاید ہی کسی نے لکھی ہوں۔ سبق پڑھاتے ہوئے اگر کوئی مشکل پیش آجاتی تو تامل کرتے اور حالت تامل میں سربند کو کاندھے پر لٹکاتے اور اسے ہاتھ میں لے کر مشغول رہتے یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی۔ اس کے بعد (سربند) چھوڑ کر مشکل بیان فرماتے۔

تذکروں میں ہے کہ علامہ شرف الدین ابوتوامہ علم شریعت و طریقت کے علاوہ علم کیمیا، سیمیا، ہیمیا اور کئی دیگر علوم پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر وہ ایک عالم دین اور صوفی ہی نہ تھے بلکہ ایک ماہر سائنسداں بھی تھے۔ ان

کا شاعر ہونا تو اس قدر مشہور ہے کہ ان کی فقہی مثنوی 'بنام حق' کا یہ شعر آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

روز اوّل کہ جاں گداز بود　　　　اوّلیں پرسشش نماز بود

علامہ نے سنار گاؤں میں ایک مدرسہ بھی تعمیر کیا تھا جس میں درس و تدریس کا سلسلہ ایک زمانے تک قائم رہا۔ آپ کا وصال ۱۰۷ء ھ میں ہوا۔ سنار گاؤں میں بمقام موڑن پاڑہ ایک کھلے چبوترے پر آپ کا مزار مبارک ہے۔ جس سے فیوض و برکات آج بھی جاری ہے۔

مناکحت: مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ جن دنوں سنار گاؤں میں زیر تعلیم تھے تو آپ کو ایک مرض لاحق ہو گیا۔ جس کا علاج وہاں کے اطباء نے جماع تجویز کیا۔ ایسا ہی 'مناقب الاصفیاء' نیز دیگر تذکروں میں مذکور ہے۔ لہٰذا مخدوم کو مجبوراً اور دواً اس طرف توجہ کرنی پڑی۔ آپ کے مشفق استاد حضرت علامہ شرف الدین توامہ نے اپنے عزیز شاگرد کی مدد کی اور اپنی صاحبزادی بی بی بہوڈام کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ مناقب الاصفیاء کی روایت کے مطابق آپ نے دفع مرض کے لئے 'جاریہ رکھی۔' 'کنیزکے داشت' اور 'نکاح کردہ' کے جھگڑے کو 'الشرف' (مؤلفہ طیب ابدالی) میں نہایت خوبی سے نپٹاتے ہوئے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ آپ نے حقیقتاً نکاح کیا تھا نہ کہ جاریہ رکھی تھی۔ 'کنیز کے' کے لفظ سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اسے اس طرح دور کیا گیا ہے کہ شرفاء کے گھرانے میں پہلے بلکہ آج بھی بوقت رخصتی یہ کہا جاتا ہے کہ 'میاں یہ آپ کی کنیز ہے۔'' نیز 'نکاحی بیوی کو کنیز کہنے کا عام رواج تھا۔

اولاد: بی بی بہوبادام دختر علامہ شرف الدین ابو توامہ کے بطن سے مخدوم جہاں کو ایک پسر مخدوم زکی الدین اور دو دختران بی بی زہرہ اور بی بی فاطمہ تھیں۔ جیسا کہ 'انوار ولایت' مصنفہ سید شاہ عبد القادر اسلامپوری اور 'آثار منیر' مصنفہ مراد اللہ منیری میں مذکور ہے۔ نیز منیر شریف کے خاندانی کرسی نامے

میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن 'گل فردوس' میں حضرت شاہ امین احمد قدس سرہٗ نے صرف مخدوم زکی الدین کا ذکر کیا ہے۔ بی بی زہرہ اور فاطمہ کا ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے ایسا اس لئے ہوا ہو کہ حضرت شاہ امین رحمتہ اللہ علیہ حضرت مخدوم زکی الدین کی اولاد ہیں بی بی زہرہ اور فاطمہ سے ان کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے 'گل فردوس' میں جد اعلیٰ کے ذکر پر بس کیا۔

مراجعت وطن: سنار گاؤں میں مخدوم جہاں کی تعلیمی مصروفیات کچھ اس طرح رہیں کہ گھر سے جتنے خطوط آتے انھیں پڑھنے کا موقع نہ ملتا تھا' ایک پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیتے تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو ان خطوط کو پڑھنا شروع کیا۔ پہلا خط جو آپ نے پڑھا اس میں آپ کے والد حضرت مخدوم یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کی خبر تھی۔ آپ نے فی الفور رخت سفر باندھا۔ اہلیہ اور بیٹیوں کو حضرت علامہ شرف الدین ابو توامہ کے سپرد کیا اور خود صاحبزادے مخدوم زکی الدین کو ساتھ لے کر وطن کی طرف چل پڑے۔ یہاں پہنچ کر صاحبزادے کو والدہ کے حوالے کیا اور خود ایام رفتہ کے احتساب اور ساعات موجودہ کی تنظیم اور آئندہ کی فکر میں مشغول ہو گئے۔

طلب پیر: حضرت مخدوم جہاں نے جب تعلیم سے فراغت پائی تو تلاش پیر کا جذبہ دل میں موجزن ہوا جو روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بغیر پیر کے کوئی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ مکتوبات صدی کے مکتوب پنجم میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"بداند کہ مبتدی رابعد صحت توبہ باجماع مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین فریضہ است کہ پیر پختہ طلب کند۔"

(ترجمہ: مبتدی بعد صحت توبہ باجماع مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین' فرض ہے کہ پیر پختہ طلب کرے۔)

لہٰذا انھیں پیر کامل کی تلاش ہوئی' لیکن اہل خانہ اور بچوں کی فکر دامن گیر تھی۔ صاحبزادے کو والدہ کے سپرد کرنے کے بعد اس فکر سے نجات مل گئی۔ اہل

خانہ اور دونوں بچیاں سنار گاؤں میں علامہ شرف الدین ابو توامہ کی کفالت میں تھیں ہی۔ چنانچہ ایک دن والدہ کے حضور میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اجازت طلب کی اور کہا کہ اس لڑکے کو میری جگہ سمجھئے اور فرض کرلیجئے کہ شرف الدین مر گیا۔ والدہ محترمہ نے جب ارادہ مصمم دیکھا تو اجازت دے دی۔ راہ کھلی۔ آپ اپنے بڑے بھائی مخدوم جلیل منیری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عازم دہلی ہوئے۔ کیونکہ اس وقت دہلی اولیاء اللہ اور مشائخین کرام کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد بہت سارے مشائخ سے ملاقات ہوئی۔ لیکن دل کہیں رجوع نہیں ہوا۔ جو صورتحال تھی اسے دیکھ کر آپ کی زبان سے نکل گیا 'اگر شیخی ایں است ماہم شیخم۔' (اگر پیری یہی ہے تو میں بھی پیر ہوں) پھر محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے حضور میں گئے۔ وہاں مجلس میں شریک ہوئے اور مذاکرہ علمی میں حصہ لیا۔ گفتگو پسندیدہ کی۔ حضرت شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور ایک طبق پان عطا کر کے رُخصت فرمادیا۔ جب آپ چلے گئے تو ان کی زبان مبارک سے نکلا۔ 'سیمرغے است اما نصیب دام مانیست۔' (ایک سیمرغ ہے لیکن ہمارے نصیب کے دام کا نہیں ہے۔)

مخدوم جہاں نے حضرت شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ سے رخصت ہونے کے بعد ان کا عطا کردہ پان کچھ تو منہ میں رکھ لیا۔ اور باقی ماندہ اعزازاً دستار میں رکھا۔ اور پانی پت کا رُخ کیا۔ یہاں شیخ شرف الدین پانی پتی المعروف بہ شاہ بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے متعلق فرمایا کہ 'شیخ تو ہے لیکن مغلوب الحال' دوسروں کی تعلیم میں مشغول نہیں ہوتا۔'

پانی پت سے دہلی واپس ہوئے۔ یہاں آپ کے برادر معظم حضرت جلیل الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کے متعلق سنا۔ انہوں نے آپ سے تذکرہ کیا۔ آپ نے کہا کہ جو قطب دہلی مشہور ہیں انہوں نے تو یہ پان دے کر رُخصت کر دیا۔ اب کس کے یہاں جائیں۔ یہ

کہہ کر آپ نے پان کا ایک بیڑہ دستار سے نکال کر منہہ میں رکھ لیا۔ برادر معظم نے کہا کہ چل کر ملاقات کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس مسئلہ پر کچھ گفتگو ہوئی۔ بالآخر آپ اپنے برادر معظم کے ساتھ حضرت خواجہ کے یہاں حاضر ہوئے۔ دل میں دہشت کی ایک عجیب کیفیت محسوس ہوئی جو پہلے کہیں نہ ہوئی تھی۔ دل میں کہا جانے کیا بات ہے کہ یہاں ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جب حضرت خواجہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ 'برگ در دہن و برگ در دستار و گفتار ایں کہ ماہم شیخم۔' سنتے ہی فوراً منہ سے پان نکال پھینکا اور دہشت زدہ مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مرید کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں گزشتہ بارہ سال سے اسی انتظار میں بیٹھا ہوں۔ پھر آپ کو سلسلہ فردوسیہ میں مرید کیا اور اجازت نامہ جو بارہ سال قبل لکھ رکھا تھا' لائے اور حوالے کیا۔ حضرت مخدوم نے کہا کہ ابھی تو میں نے آپکی خدمت بھی نہیں کی ہے' نہ طریقت کی روش آپ سے سیکھی ہے۔ یہ جو آپ فرماتے ہیں کیسے کر سکوں گا؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے یہ اجازت نامہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا ہے۔ تمہاری تعلیم مشکوٰۃ نبوت سے ہوگی' اندیشہ نہ کرو۔ پھر روش طریقت کی تلقین کر کے رخصت کیا اور فرمایا کہ راستہ میں کچھ سنو تو واپس نہ ہونا۔ مخدوم جہاں رخصت ہوئے۔ ایک ہی دو منزل آئے تھے کہ سنا کہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی نے (بتاریخ ۶؍ شعبان ۶۹۱ھ) دار بقا کی طرف کوچ کیا۔ مخدوم نے یہ خبر سنی' دل میں اندوہ پیدا ہوا۔ لیکن پیر کا حکم تھا۔ واپس نہ ہوئے اور منیر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

دشت نوردی: حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ بعد حصول بیعت جب منیر کی طرف چلے تو اثنائے راہ بہیا کے جنگل کے قریب پہنچے۔ ایک دن ایک طاؤس کی آواز سنی' دل میں حزن کی ایک کیفیت جو مرید ہونے کے بعد ہی پیدا ہو گئی تھی۔ طاؤس کی آواز سن کر فزوں تر ہو گئی۔ آپ نے بے اختیار خود کو

جنگل میں ڈال دیا۔

'شیخ شرف منیری رحمته الله علیه می گفت که من چوں بخواجه نجیب الدین فردوسی پیوستم حز نے دردل نهاره شد که هرروز آن حزن زیاده می شد تادر بهیا رسیدیم خودرا درجنگل بهیا انداختیم۔'

(مناقب اصفیاء صفحہ نمبر)

ترجمہ : شیخ شرف منیری رحمتہ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے مرید ہوا تو ایک حزن دل میں پیدا ہو گیا۔ وہ حزن ہر روز زیادہ ہوتا یہاں تک کہ بہیا پہنچا اور بہیا کے جنگل میں خود کو ڈال دیا۔

بہت تلاش کی گئی۔ لیکن آپ نہ ملے۔ حضرت شیخ جلیل الدین نے پیر و مرشد کا عطا کردہ خلافت نامہ اور وصیت نامہ منیر لا کر والدہ محترمہ کے حوالے کر دیا اور جو کچھ گزرا تھا اس کی کیفیت بیان کر دی۔

کہتے ہیں کہ بارہ برس کے بعد آپکو راجگیر کے جنگل میں دیکھا گیا۔ پھر برسوں تک جنگل میں اس طرح غائب رہے کہ کسی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ خدا ہی جانے اس طویل مدت کے دوران جنگل میں آپ کا خدا کے ساتھ کیا معاملہ تھا۔ ایک مدت مدید کے بعد بعض لوگوں نے آپ کو پھر جنگل میں دیکھا۔ خبر پھیلی تو بعض مشتاقان دید جنگل جاتے اور ملاقات کیا کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ آپنے تیس برس دشت نوردی کی ہے اور اس دوران ایسی ایسی ریاضتیں کی ہیں کہ خود بقول مخدوم 'اگر پہاڑ بھی ہوتا تو پانی ہو جاتا......' نیز آپ سے کشف و کرامات کا جو ظہور ہوا اس کا سلسلہ بھی دشت نوردی ہی سے شروع ہوا اور قیام بہار تک وسیع ہو تا گیا۔

حضرت مخدوم چو لھائی جیسا ہیرا بھی آپ کو اسی دشت نوردی کے دوران ہاتھ آیا۔ ان کے حالات آئندہ صفحات میں فراہم کئے جا رہے ہیں۔

راجگیر کی زمین مخدوم کی دشت نوردی کی چند یادگاریں آج بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔جو زائرین کو بزبان حال یہ کہتی رہتی ہے کہ کبھی کسی مرد حق آگاہ کے قدوم بابرکت لزوم نے اس جگہ کو بوسہ لینے کا شرف بخشا تھا مخدوم کی جائے عبادت جو ایک گپھا کے اندر تھی اور جائے طہارت جو گرم پانی کے چشمہ کی شکل میں فطرت نے مہیا کر رکھا تھا آج بھی عبادت گاہ مخدوم اور مخدوم کنڈ کے نام سے زائرین کے لئے وجہ کشش ہیں۔

کہتے ہیں کہ تجربات و مشاہدات کا ایک وسیع عالم تھا جو اس بیاباں پیمائی کے دوران مخدوم کے قدموں پر نثار ہو گیا اور بعد میں ان کی مدد سے مخدوم نے رشد وہدایت کی وہ چمن بندی کی جس کی عطر بیزی آج بھی مضطرب دلوں کے لئے سامان سکون و فرحت ہے۔

ریاضت: مشائخین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ریاضت و مجاہدہ راہ سلوک کا ابتدائی لازمی مرحلہ ہے جس سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔ کسر نفسانیت اور تہذیب نفس کے لئے ریاضت کی مشقت اٹھانا بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ مخدوم جہاں بھی حصول بیعت کے فوراً بعد ہی اس مرحلے میں داخل ہوئے۔اور کامل تیس سال بہیا اور راجگیر کے جنگل میں یہ مشقت اٹھاتے رہے۔

منقول ہے کہ کسی نے آپ کو...... جنگل میں دیکھا کہ ہاتھ ایک درخت میں لٹکائے متحیر کھڑے تھے۔چیونٹیاں حلق کے اندر آتی اور جاتی تھیں اور آپ کو اس حال کی (مطلق) خبر نہ تھی۔'**وسیلہ شرف صفحہ نمبر ۲۳ میں**' حضرت صوفی منیری نے لکھا ہے کہ

> 'فقیر راقم نے بزرگوں سے سنا ہے' تعداد معلوم نہیں کہ کتنے زمانے تک یہی حالت رہی۔یہ واقعہ بہیا کے جنگل کا تھا۔......
>
> اس مقام میں آپ کا چلہ ہے نیز زیارت گاہ ہے۔اس زمانے میں جگدیش پور کے زمینداروں کا وہاں سے گزر ہوا۔آپکو اس

حالت میں دیکھا تو مردہ گمان کیا۔ جب ناک پر ہاتھ رکھ کر تمیز کی تو سانس چلتی ہوئی پائی۔ پلنگ پر اٹھا کر اپنے گھر لایا، جسم مبارک میں روغن استعمال کیا اور دوا اور غذا وغیرہ سے بہت خدمت کی۔ جب آپ کو افاقہ ہوا اور طاقت آئی آپ رخصت ہونے لگے۔ وہ زمیندار مانع ہوا کہ آپ یہیں رہیں۔ ہم اور گھر کے سارے لوگ آپ کی لونڈی اور غلام ہیں۔ خدمت کو حاضر ہیں۔ لیکن آپ رکنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ مجبوراً وہ راضی ہو گیا اور پہنچانے کے لئے ساتھ ہو لیا............"

'مونس القلوب' مجلس دوازدھم صفحہ نمبر ۱۹۳ میں ہے کہ

"حضرت مخدوم حسین نوشتہ توحید ہے میں نے سنا ہے کہ حضرت مخدوم شیخ مظفر مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے مخدوم جہاں سے پوچھا کہ آپ نے چالیس برس کچھ کھایا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ 'ایسا نہ کہو کہ کچھ کھایا نہیں بلکہ اس دوران میں نے غلہ نہیں کھایا ہے لیکن کبھی کسی درخت کا میوہ' پتی اور گھاس کھا لیتا تھا۔"

حضرت مخدوم جہاں کے قریب جہاں پتھر میں گڈھا رہتا وہاں ہرنیاں دودھ اتارتی تھیں یعنی اپنی پستانوں کو اس گڈھے پر جھکا دیتی تھیں اور اس میں دودھ ٹپک پڑتا۔ سگ آستانہ نے عرض کیا کہ 'حضرت اس دودھ کو کھاتے تھے۔' فرمایا "ہاں!"

مناقب الاصفیاء صفحہ نمبر ۱۳۶ میں مذکور ہے کہ

"ایک بار قاضی زاهد نے جو عالم اورسالك طریقت تھے اور مخدوم جہاں سے اعتقاد رکھتے تھے دریافت کیا کہ "مخدوم! ہم نے سنا ھے کہ تیس برس آپ نے کچھ نہ کھایا اور پیشاب و پیخانہ کی حاجت نہ

ھوئی۔ان ریاضتوں کاحاصل کیاتھا؟"
فرمایا" تیس برس میں نے طعامً نہیں کھایا ھے لیکن حاجت کے وقت جنگل سے کچھ کھا لیتا تھا۔ (نتیجتاً)پیشاب وپائخانہ بند رھا۔برسوں کے بعد میں محتلم ھوا'سر دی سخت۔تھی'پانی کے کنارے گیا'جی میں آیا کہ تیمم کروں اور نماز ادا کر لو ں۔ پھر دل میں گزراکہ نفس شرع میں پناہ لیتا ھے۔ فوراً پانی میں کودا اور بیھوش ھو گیا۔جب آفتاب نکلا ھوشیار ھوا۔حاصل یہ ھواکہ اس دن نماز فجر قضا ھو گئی۔" پھرفرمایا۔"زاھد!جوکچھ شرف الدین نے ریاضت و مجاھدہ کی قسم سے کیا ھے اگر پھاڑ کرتاتو پانی ھوجاتا۔لیکن شرف الدین کچھ نہ ھوا۔"

ذوق و وجد: 'مونس القلوب (مجلس دوازدہم)' میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم شیخ حسین فرماتے تھے کہ 'ایک دن قاضی زاھد نے حضرت مخدوم سے یہ بات پوچھی کہ آپکو کب کب ذوق ھوا۔آپ (مخدوم جھاں)نے فرمایا کہ ایک دوبار مجھے ذوق حاصل ھواتھا۔ایک تو وھی جب کپڑا پھنے ھوئے پانی میں کودا تھا دوسرے (وہ جب)میں بیابان میں پھر رھاتھا کہ ایک دن ایک جگہ (دیکھاکہ)ایک چرواھا گایوں کو چرارھاھے'اور کئی گوسالے ا س میں تھے اور اس مقام کے قریب کئی گھر آباد تھے۔ان گوسالوں میں ایک اچھامعلوم ھوا۔میں اس کو دیکھ رھاتھا اور چرواھا ایک درخت کے سایہ میں سویاتھا۔اسی اثناء

میں کئی ھندو عورتیں اس بستی سے گوبر چننے کو آئیں۔ان میں ایک ڈائن تھی۔گوسالہ کو چوٹ پہنچائی اور چلی گئی۔گوسالہ اسی وقت زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔چرواھا جب جاگا تو عو ر تیں جاچکی تھیں اور میں کھڑا تھا۔اس نے مجھے پکڑااور کھاکہ میرے گوسالے کو تونے مارا ھے اورایک لاٹھی مجھ کو زور سے مارا اور چاھتاتھاکہ اور مارے میں نے کھا کہ مجھ کوکیوں مارتا ھے۔چرواھا بولا میرے گو سالے کو تونے مارا ھے۔میں نے کھا اگر تیرا گوسالہ اچھاھوجائے تو مجھ کو نہ ستائے گا۔بولا ھاں۔مجھ کو دو مشکلیں در پیش ھوگئیں۔اگر چپ رھتا ھوں تو چرواھے کے ھاتھ سے رھائی نھیں ھوتی اور اگربولتا ھوں تواس عورت کاراز فاش ھوتا ھے۔الغرض حیلہ سے اس عورت کے پاس گیا اور حکمت سے اس سے کھا کہ حال یہ ھے کہ اگر کوئی تدبیر کرے کہ گوسالہ اچھاھوجائے توتیرا بھی بھید پوشیدرھتا ھے۔اورمیں بھی رھائی پاتا ھوں ورنہ توبھی فضیحت میں پڑے گی اورمیں بھی گرفت میں رھو ں گا۔اس عورت نے (سن کر) ایک طلسم کیا اور گو سالہ اچھا ھوگیا۔(اور میرا معاملہ یہ ھے کہ) مجھے چرواھے کی لاٹھی کھانے میں ایک ذوق اور مزہ حاصل ھوا۔

'مونس القلوب (مجلس پنجاہ و پنجم صفحہ نمبر ۲۸۴) میں ہے کہ

حضرت مخدوم شیخ مظفر نے آپ سے (ایک

مرتبہ)پوچھا کہ شروع مجاھدہ میں کسی وقت
ذوق بھی ھوا ۔فرمایاکہ جس وقت میں کوہ راجگیر
میں تھا مخمصہ ھوا یعنی حالت اضطرار میں کسی
مباح چیز کی تلاش میں چلا۔دامن کوہ میں ایك مرد
کو دیکھا کہ کھانا کھارھا ھے اور اس کے ملازم
دوھرا مور چھل ھلارھے ھیں ۔میں اس کے نزدیك
گیااور کھا التوفیق شئی عظیم(توفیق عمدہ چیز
ھے)اس مرد نے کھا کہ آؤ اور کھانا کھاؤ۔میں گیااور
بقدر ضرورت لقمہ اٹھاتا تھا۔اس کے لوگوں نے جب
یہ صورت دیکھی تو آئے اور خواجہ کو جھڑکا کہ اے
خواجہ تم کو شرم نھیں آتی کہ ایسے شخص کے
ساتھ کھاکھارھے ھو ۔مجھ کواس بات سے مزہ ملا
اور میں پھاڑ پر چڑھ گیا اور میں اس دن خوشی
میں پھاڑ پر تواجد میں رھا۔'

کشف و کرامات: بزرگان دین سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی۔ کرامات سے رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ اولیاء اللہ سے بلاارادہ منجانب اللہ خرق عادات ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی کبھی انھوں نے ضرورت کے تحت ارادتاً تصرف بھی کیا ہے۔ لیکن اکثر گریز ہی کیا ہے۔ کیونکہ اس سے نگاہ کرامت بخشنے والے کی طرف سے ہٹ کر کرامت کی طرف ہو جاتی ہے اور یہ سالک الی اللہ کے حق میں بت وزنار سے کم نہیں۔ چنانچہ ' **مکتوبات صدی**' کے مکتوب دہم میں '**اقوال شیخ**' کے حوالے سے مخدوم جہاں فرماتے ہیں :

بت اندرعالم بسیار است یکے از بتاں ایں طائفہ
کرامت است۔اگر باکرامت سکون گیرد محجوب

دریافت کیا   کہ سدھا کو کیسے پہچان سکتے ہیں(سدھا جوگیوں کی اصطلاح   میں مرد کامل کو کھتے ھیں)آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگروہ اس جنگل کو کھے کہ سوناھوجا جنگل فوراً سونا ھوجائے۔ جیسے ھی مخدوم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے جنگل فوراًسونا ھونے لگا۔آپ نے جنگل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا تو اپنے حال پررہ۔میں بات بولتا ھوں۔"

مخدوم کی یہ کرامت بلاارادہ منجانب اللہ ظاہر ہوئی اور جوگی کے سامنے اسلام کی حقانیت کا اظہار ہو گیا۔

مناقب الاصفیاء صفحہ نمبر ۱۳۹ ہی میں ہے کہ

ایک جوگی صاحب جمال بھار پھنچا۔مخدوم جھاں کے بعض مریدوں سے ملاقات ھوئی۔ان لوگوں کے دل میں گزراکہ خدائے تعالیٰ نے ایک کافر کوایسا حسن دیا ھے۔ اس جوگی نے (جو باطن کی صفائی کسب کرچکا تھا)لوگوں کے اس خیال کو معلوم کر لیا۔کھا کہ ایسی بات دل میں نہ لانی چاھئے۔پھر دریافت کیا تمھارے کوئی گرو ھیں۔(جوگی اپنی زبان میں پیر کو گرو کھتے ھیں۔) بعض مریدان مذکور نے کھا ھاں!ھمارے گرو ھیں اور مخدوم جھاں کا ذکر کیا اور آپ کی توصیف بیان کی ۔اس نے بطریق استفھام کھا کہ وہ میرے پاس آئینگے۔ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ(مخدوم)بزرگ ھیں کسی کے یھاں نھیں جاتے کیسا ھی کوئی بزرگ

کیوں نہ ھو۔آپ کے پاس آتا ھے ۔گرو نے اس پر کھا
مجھ کو ان کے پاس لے چلو لوگ اسے اپنے ساتھ
مخدوم کے پاس لے گئے۔جیوں ھی اس کی نظر
مخدوم پرپڑی پیچھے پاؤں بھاگا۔لوگوں نے
پوچھاکیوں بھاگتے ھو۔بولاکه کرتار روپ ھو گئے
ھیں(یعنی متصف بہ صفات حق) "ان کے سامنے جانے کی
طاقت نھیں رکھتا اگر جاؤں جل جاؤں۔"لوگوں نے
اس جوگی کا قصہ مخدوم جھاں سے کھا۔آپ
مسکرائے اور فرمایا۔اس کو کھو اب آوے۔دیکھنے کی
تاب لا ئے گا۔جب وہ پھر آیا دیکھا اور کھا کہ اب ان
کے پاس جاسکتا ھوں۔وہ آیا او رصحبت میں دیر
تك بیٹھارھا ۔کچھ دیر کے بعد اس نے عرض کیا
مجھے اسلام کی تلقین کیجئے مخدوم جھاں نے اس
کو اسلام کی تلقین کی۔تین دنوں تك اپنے ساتھ
رکھا پھر رخصت کیا اور وہ چلاگیا۔

کسی نے مخدوم سے دریافت کیا "تھوڑی دیر
مصاحبت کے بعد کیوں رخصت کردیا۔"آپ نے
فرمایا وہ کام تمام کرچکاتھا۔زنگار کفر کا حجاب
تھا" تھوڑی ھی صحبت میں اس کاازالہ ھوگیا۔لھذا
اس کو رخصت کردیا۔"

بات صحیح تھی مخدوم نے اس سے کام لیکر بڑی خوبی سے اپنی کرامت
پر پردہ ڈال دیا۔ ؎

مگر چلمن کے پیچھے کب بھلا سورج چھپے ہے
حقیقت بیں نگاہوں کو نظر آوے ہے سب کچھ

مجاھدہ کیوں: حضرت مولانا مظفر بلخی نے

ایک دن مخدوم جہاں سے استفسار کیا کہ کیا وجہ ھے کہ پہلے درویش کافروں کو اسلام پیش کرتے اور اسی دم خدا تک پہنچا دیتے لیکن اس زمانے میں مریدوں سے مجاھدہ کرایا جاتا ھے؟ آپ نے فرمایا کہ "اس زمانے میں جو کافر اسلام لاتے تھے۔ استعداد کامل رکھتے تھے لیکن اس زمانے کے مرید چنداں استعداد نہیں رکھتے۔ لھذا پیر انہیں مجاھدہ کا حکم فرماتے ھیں۔"

(مناقب الاصفیاء صفحہ نمبر ۱۴۱)

قیام بہار: حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ جب راجگیر کے جنگل میں تھے حضرت نظام مولیٰ خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نیز چند مریدان محبوب الٰہی بہار میں قیام رکھتے تھے۔ جب ان حضرات کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ شرف الدین راجگیر کے جنگل میں ہیں اور لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے تو حضرت نظام مولیٰ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ آپ کی تلاش میں بغرض ملاقات جنگل جانے لگے۔ ملاقات بھی ہوتی۔ مخدوم جہاں نے جب ان لوگوں کی سچی طلب دیکھی تو فرمایا کہ اتنی دور سے آپ لوگ اس جنگل میں آتے ہیں۔ درندوں اور دوسرے موذی جانوروں کا خوف ہے۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ آپ لوگ شہر ہی میں رہئے۔ میں خود جمعہ کے دن آجایا کروں گا۔ وہیں ملاقات ہوگی۔ مولانا نظام اور انکے دوستوں نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ مخدوم ہر جمعہ کو شہر کی جامع مسجد میں تشریف لاتے اور لوگوں سے ملاقات ہو جاتی۔ کچھ دیر مولانا نظام اور انکے دوستوں کے ساتھ بیٹھتے پھر جنگل کی طرف چلے جاتے۔ ایک مدت اسی طرح گزری۔ پھر لوگوں نے مشورہ کیا کہ ایک جگہ مقرر کرنی چاہئے جہاں مخدوم ٹھہریں۔ چنانچہ شہر کے باہر جہاں اب خانقاہ معظم ہے دو چھپرہ ڈالا گیا۔ حضرت مخدوم اسی مقام پر بعد ادائے نماز جمعہ

ٹھہرنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت نظام مولیٰ نے مقطع بہار مجد الملک سے اجازت لے کر اپنے مال مزکیٰ سے اس دو چھپرے کو باضابطہ ایک مکان میں تبدیل کر دیا۔اور حضرت مخدوم جہاں سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ خیال خاطر احباب نے مجبور کیا اور آپ سجادہ پر بیٹھے پھر حضرت نظام مولیٰ اور دوسرے لوگوں کی طرف رُخ کیا اور کہا۔ "یارو تمہاری مجالست مجھ کو اس حد پر لائی کہ اس بت خانہ میں لا بٹھایا۔" ایک عرصہ اسی طرح گزرا جب تک پاؤں میں طاقت رہی آپ مہینہ دو مہینہ کیلئے باہر جاتے رہے۔جب طاقت نہ رہی تو قیام اختیار فرمالیا۔

بادشاہ دہلی سلطان محمد تغلق کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت شیخ شرف الدین ایک عرصہ دشت نوردی میں گزارنے اور خلق سے کنارہ کش رہنے کے بعد اب بہار میں مقیم ہو چکے ہیں اور لوگوں سے ملتے جلتے ہیں تو اس نے مقطع بہار (گورنر بہار) کو فرمان ارسال کیا کہ حضرت کے لئے خانقاہ تیار کی جائے اور راجگیر بطور خرچ خانقاہ نذر کیا جائے۔اور ایک بلغاری جائے نماز بھیجی کہ اسے بھی خدمت میں نذر کر دیا جائے۔اور اگر مخدوم قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے۔ مقطع بہار حاضر خدمت ہوئے اور لجاجت کے ساتھ نذر قبول کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ 'میری کیا مجال کہ جو کچھ بادشاہ نے فرمان میں لکھا ہے اس پر عمل کروں۔ لیکن اگر حضور قبول نہ فرمائیں گے تو وہ مجھے قصوروار ٹھہرائے گا اور اس کا حال معلوم ہے خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ مخدوم نے اس خیال سے قبول کرلیا کہ کہیں مقطع بہار پر عتاب شاہی نازل نہ ہو۔ لیکن فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں راجگیر کو ترک کر دیا اور بہ نفس نفیس دہلی جا کر جاگیر کا پروانہ سلطان کے حوالے کر دیا اور بہار میں محض اللہ کے بھروسے یکسو ہو کر رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے۔

بہار میں قیام کے دوران دیکھنے والوں نے مخدوم کی شخصیت کے ہزار رنگ دیکھے۔ شان استغنا' خیال خاطر' عیب پوشی' فقر وانکساری' توکل علی

اللہ اور رشد وہدایت کا دل موہ لینے والا انداز علاوہ ازیں اور جانے کیا کیا کچھ لوگوں نے دیکھا۔ خود فیضیاب ہوئے اور دوسرے کو فیضیاب کیا۔ یہاں تک کہ آج تقریباً آٹھ سو سال بعد بھی لوگ بقدر ظرف فیضیاب ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ الرشید آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

؎ شرف تیری چوکھٹ سلامت رہے

شان استغناء: قبل ذکر ہو چکا ہے کہ جب حضرت نظام مولیٰ اور ان کے دوستوں کی درخواست پر مخدوم جہاں سجادہ پر رونق افروز ہوئے تو انھیں مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ 'دوستو تمہاری مجالست مجھ کو اس حد پر لائی کہ اس بت خانہ میں لا بٹھایا۔' مخدوم کا یہ ارشاد اس بات پر شاہد ہے کہ آپ کا درون مشیخت اور اس کے لوازمات سے فارغ اور مستغنی تھا۔

تذکروں میں ہے کہ شیخ حمید الدین حضرت سے محبت رکھتے تھے:..... ایک بار آدھی رات کو آئے 'چاندنی رات تھی۔ حضرت باہر آئے۔ اور صحن میں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھے 'صحن مصفا نظر آئے۔ حضرت شیخ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ 'میں نے جانا کہ اس آدھی رات کو امور دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہے۔ اسکے حل کیلئے آئے ہیں۔ کہتے ہیں چبوترہ بڑھاؤ۔ یہ نہیں کہتے کہ اس بت خانہ کو اینٹ اینٹ کر ڈالو اور ویران کر ڈالو۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک بار مشائخ وقت نے اپنی تمنا اور آرزو ظاہر کی۔ جب مخدوم جہاں کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ میری آرزو یہ ہے کہ **میرا نام نہ اس جہاں میں رہے نا اس جہاں میں۔** ستر حال اور نام و نمود سے مستغنی رہنا بڑا ہی پیارا فردوسی انداز ہے۔ جسے مخدوم جہاں نے حد کمال سے بھی کچھ زیادہ ہی اپنائے رکھا۔ اللہ کی بے گنتی رحمتیں آپ پر۔

خیال خاطر: مناقب الاصفیاء میں ہے کہ نفل روزہ کی حالت میں افطار کے وقت کے قریب اگر آپ کے حضور میں کوئی کھانے کی چیز لاتا اور کھانے کی درخواست کرتا تو فوراً کھا لیتے اور فرماتے نفل روزہ کی قضا کر سکتے ہیں لیکن

شکستگی دل کی قضا نہیں ہے۔

عیب پوشی: **مناقب الاصفیاء** ہی میں ہے کہ ایک شخص نے نماز میں پیش امامت کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ تک یہ بات پہنچائی کہ یہ مرد شراب خوار ہے۔ آپ نے فرمایا 'ھروقت نهیں پیتا' لوگوں نے کہا 'ھروقت پیتا ھے' فرمایا 'رمضان میں نہیں پیتا ہے۔'

فقروانکساری و توکل علی اللہ: مونس القلوب (ملفوظ احمد بلخی) میں ہے کہ آپ ترک راجگیر کے ارادے سے (دہلی) سلطان فیروز تغلق کے یہاں چلے۔ اثنائے راہ میں قاضی اشرف الدین سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا 'کہاں جاتے ہیں؟' آپ نے فرمایا ایک غرض کیلئے جاتا ہوں۔ قاضی صاحب نے پھر پوچھا کس غرض کیلئے فرمایا دل میں آیا کہ راجگیر کو ترک کردوں اسلئے دہلی جاتا ہوں کہ بادشاہ نے جو سند راجگیر دیا ہے اسے واپس کردوں۔ قاضی اشرف الدین نے کہا کہ 'اگر آپ راجگیر کو ترک کردیں تو ہمارے زمانے کے جنید ہیں۔ آپ نے فرمایا 'اگر کوئی ایک دیہہ (گاؤں) کو چھوڑ دینے سے جنید زمانہ ہو جائے تو پھر کیا چاہئے۔ ''الغرض جب سلطان کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ کے ہم نشینوں نے بادشاہ سے کہا 'زہے حرص! شیخ راجگیر جیسے پرگنہ پر استقامت اور صبر نہ کرسکے۔ پھر بارگاہ میں آئے ہیں۔ سلطان فیروز نے کہا اگر شیخ اس بار تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو دے دونگا۔' سب شرمندہ ہوئے۔

جب آپ شاہی دروازے پر پہنچے بادشاہ نے استقبال کیا اور بہ تعظیم و تکریم تمام اندر لے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ 'ایک غرض کے لئے آیا ہوں اگر عہد کیجئے کہ میری بات رکھ لیجئے گا اور قبول کیجئے گا تو عرض کروں۔' سلطان نے عہد کیا کہ جو کچھ فرمائیگا دل سے اطاعت کرونگا۔'' اسکے بعد آپ نے فرمان سند آستین مبارک سے نکالا اور بادشاہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ 'خدا کے واسطے اسے واپس لے لیجئے کہ یہ میرے کام کا نہیں۔' سلطان اور اس کے ہم نشیں سب حیران ہو گئے۔ اور اس سبب سے کہ پہلے ہی عہد واثق کر چکا تھا کچھ

نہ کہہ سکا۔ پھر التماس کیا کہ حضرت مخدوم نے جب ایسا کیا تو کچھ خرچ نقد مجھ سے قبول فرمایئے' پھر بادشاہ نے رقم پیش کی۔ آپ نے قبول تو کر لیا۔ لیکن شاہی دروازے سے آگے بڑھتے ہی سب تقسیم کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر روانہ ہو گئے۔

'مونس القلوب' ہی میں ہے کہ جناب سید کبیر حضرت میر سید جلال الدین بخاری کے نواسے حاضر تھے۔ حضرت خواندگار عظمۃ اللہ یعنی شیخ احمد بن حسن بلخی نے فرمایا کہ حضرت مخدوم جہاں نے ایک جوڑا کفش حضرت میر سید جلال الدین بخاری کو بھیجا۔ انہوں نے مخدوم جہاں کو دستار بھیجا۔ حضرت جلال الدین کے مریدوں نے پوچھا کہ اس سے کیا غرض تھی۔ آپ نے فرمایا انھوں نے کفش بھیجا اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم آپکے پاؤں کی خاک ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ انھوں نے اس طرح پر نوازش کی اور تواضع وانکسار کیا تو ہم نے پگڑی بھیجی۔ اس سے مطلب ہے کہ آپ ہمارے سر تاج ہیں۔ جناب سید کبیر مذکور نے عرض کیا کہ ان دونوں کے درمیان دل سے دل میں راہ تھی۔ طائر دل کی زبان طائر ہی جانیں۔

ایک واقعہ تذکروں میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن حضرت کے قرابت دار آئے تھے اور آپکی والدہ ان کے لئے روٹی اور مرغ پکاتی تھیں۔ حضرت مخدوم نے دھواں دیکھ کر خادم خاص حضرت چولہائی سے فرمایا۔ "چولھائی! ماموں کا معینہ تم نے پہنچایا۔؟ "(حضرت والدہ کو ماموں کہتے تھے) حضرت چولھائی نے عرض کیا" لاچکا ہوں۔" آپ نے فرمایا۔ پھر یہ دھواں کیسا ہے؟ شیخ چولھائی نے کیفیت حال عرض کی۔ آپ والدہ کے پاس گئے اور التماس کیا کہ میں نے اپنا منہہ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی۔ پھر بھی آپ ایسا کرنے لگیں۔ جب حضرت بی بی قدس سرہٗ نے بات سنی۔ مرغ کچا پکا اور روٹیاں اور آٹا ویسا ہی قرابت دار کے حوالے کیا اور کہا کہ لے جاؤ! کہیں پکوا کر کھا لینا۔

مرد خدا کون: مناقب الاصفیاء صفحہ نمبر ۱۳۷ میں ہے کہ

"ایک مرتبہ قاضی زاهد نے پوچھا کہ مخدوم! آپ مردخداکی اتنی تعریف کرتے هیں۔مردخدا هند میں کون کون هیں؟فرمایا وہ دیوانہ پانی پتی هے۔ قاضی زاهد نے کہا۔اتنے بزرگ هند میں هیں ۔پانی پتی کی کیا تخصیص هے؟فرمایاکہ زاهد !تم نے مرد خدا کو پوچھا تھا نہ کہ بزرگ کو۔"

ایک بارقاضی زاهد مذکورنے پوچھاکہ "مخدوم ! آپ دهلی گئے تھے دهلی کو کیسا پا یا؟ فرمایا۔ زاهد!دهلی کے متعلق تم جتناپوچھو گے اس سے کهیں زیادہ عابد و زاهد بهت صاحبان سجادہ بهت صاحبان کرامت لیکن جوبات میں ڈھونڈھتا هوں وهی وہ ڈھونڈھتا هے یعنی دیوانہ پانی پتی۔"

عزکاکوی اوراحمدبهاری: نقل ہے کہ احمد بہاری اور عز کاکوی دو مجذوب صفت بزرگ تھے۔ اکثر شیخ شرف الدین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور توحید خاص میں کچھ پوچھتے۔ عالم دیوانگی میں کھلی کھلی باتیں بولتے کہ خلق اس کے سننے کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ شیخ عز کاکوی بہار سے دور قصبہ کاکو میں رہتے تھے اور انھیں شیخ شرف الدین کی خدمت میں آنا میسر نہ ہوتا۔ اگر توحید خاص اور واردۂ عشق و محبت میں کچھ مشکل پیش آتی اس کا حل بذریعہ خط مخدوم جہاں سے چاہتے۔ حضرت انکاجواب تحریر فرماتے۔ اسکو کلمات شیخ شرف الدین اجوبہ کاکویہ کہتے ہیں۔

یہ دونوں بزرگ سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں دہلی گئے۔ توحید میں کھلی کھلی باتیں کیں اور کلمات شطح بولے۔ علمائے دہلی نے سلطان سے کہا کہ یہ دونوں ایسی باتیں بولتے ہیں کہ اس پر ان کا قتل واجب ہے۔ سلطان نے

محضر کیا۔ تمام اکابر شہر کو جمع کیا اور سبھوں کے متفق علیہ فتویٰ پر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ مخدوم جہاں کو جب خبر ملی، سخت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ 'دہلی جیسا شہر' مشائخ علماء و فضلا کا مجمع 'سلطان فیروز جیسا بادشاہ اولیاء اللہ کا معتقد' کسی سے اتنا نہ ہوا کہ ان دونوں کو دیوانگی کے بہانے رہا کرا دے۔۔" پھر فرمایا "جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون گرے، تعجب ہے وہ شہر آباد رہے۔" چنانچہ جیسا فرمایا تھا بعد میں ویسا ہی ہوا۔ شاہزادے اور وزیر میں چپقلش ہوئی۔ مغلوں نے آکر دہلی کو زیروزبر کیا۔ کوئی ضابطہ باقی نہ رہا۔ بہت مسلمان مارے گئے۔

عزکاکوی اور احمد بہاری کے قتل پر مخدوم جہاں کی رنجیدگی اور دہلی سے متعلق ان کا یہ کلام کہ 'تعجب ہے وہ شہر آباد رہے'۔ غمازوں نے بادشاہ کے کان میں پہنچایا۔ بادشاہ نے علمائے اکابر کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے تمہارے فتویٰ پر ان لوگوں کو قتل کیا ہے۔ شیخ شرف الدین یہ بات کیوں کہتے ہیں۔ سب نے بیک زبان کہا کہ 'حضور! ان کو طلب فرمائیں۔ تب معلوم ہو کہ کس سبب سے ایسا کہا ہے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کے مشورہ سے طلبی کا فرمان جاری کر دیا۔ اتنے میں سید السادات سید جلال الدین بخاری کا خادم بادشاہ کے پاس آیا اور انکے تبرکات بادشاہ کو پہنچایا۔ سلطان نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ حضرت مخدوم نے بہت دنوں کے بعد یاد کیا۔ خادم نے کہا شیخ شرف الدین کے مکتوبات مخدوم کے پاس پہنچے تھے۔ اسکے مطالعہ کیلئے خلوت اختیار کر لیا تھا۔ کچھ دنوں تک کوئی شخص بھی مخدوم سے ملاقات نہ کر سکتا تھا۔ اس سبب سے تاخیر ہوئی۔ بادشاہ مخدوم جہاں کی طلبی کا فرمان بھیجنے پر شرمندہ ہوا۔ دوسرا فرمان بھیجا کہ پہلا فرمان منسوخ سمجھا جائے۔ ایسے بزرگ کو جگہ سے اٹھانا درست نہیں ہے۔" جب طلبی کے فرمان کا شہرہ مخدوم جہاں تک پہنچا تو فرمایا۔ یہ فرمان سید جلال الدین کے طفیل منسوخ ہوا۔ اس کے پیچھے دوسرا فرمان آتا ہے۔

رشد وھدایت: رشد و ہدایت بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ لیکن کم لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کے لب ولہجہ کی شیرینی اور دل موہ لینے والا انداز ان

کی دینوی زندگی کے صدیوں بعد تک اپنی اثر آفرینی کے لئے معروف ہو۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (کیا ہی بخدا نام ہے پیارا شرف الدین) ایسے ہی صاحبان کشش عظمیٰ میں سے ایک ہیں جن کی روحانی کشش صدیوں پر محیط ہے اور جن کا فیضان مسلسل جاری و ساری ہے۔

حضرت مخدوم نے رشد وہدایت اور متوسلین کی تعلیم و تربیت کیلئے تین طریقے اپنائے۔ ایک طریقہ تو آپ کی وہ نورانی مجلسیں تھیں جن میں لوگ حاضر ہوتے اور مختلف موضوعات پر مذاکرے ہوتے۔ تفسیر' حدیث' فقہ' تصوف' بزرگوں کے احوال' حالات دنیاء' آپ بیتی' جگ بیتی' غرضیکہ کیا کچھ نہ ہوتا تھا' مخدوم کی گفتگو میں۔ لوگ سوال کرتے اور مخدوم جواب دیتے۔ فکر و نظر کو جلا ملتی دلوں کی کثافت دور ہوتی اور درون بشری متوجہ الی اللہ ہونے کا سلیقہ سیکھتا۔

دوسرا طریقہ مخدوم جہاں نے ترسیل مکتوبات کا اختیار فرمایا۔ اپنے ان متوسلین کی تعلیم و تربیت آپ نے بذریعہ خطوط کی جو کافی فاصلہ پر رہائش رکھتے تھے اور اپنی مشغولیتوں کے سبب آپکی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے۔ علاوہ ازیں بہترے لوگ مختلف مسائل کی تحقیق مخدوم سے بذریعہ خط کرتے تھے۔ اور حضرت انھیں شافی جواب دیتے تھے۔

تیسرا طریقہ تصانیف کا ہے۔ حضرت مخدوم نے مختلف موضوعات پر کتابیں اور رسائل تصنیف کئے جن سے مسائل کی تشریح و تفہیم نہایت ہی دلنشیں انداز میں ہوتی بلکہ آج بھی ہوتی ہے۔ یہ تصانیف صاحبان علم کے لئے رشد وہدایت کی نہ بجھنے والی شمع ہے جو مسلسل علم و عرفان کا نور بکھیر رہی ہے۔ اللہ کی بے شمار رحمت اس شمع کو روشن کرنے والے پر اور اس کے نور کو دور تک پہنچانے والوں پر۔

ملفوظات: جیسا کہ کہا جاچکا ہے مخدوم جہاں کی نورانی مجلسیں مختلف موضوعات' مذاکرے اور ضمناً کئے جانے والے سوالوں کے جوابات پر مشتمل

ہوتیں۔ حاضرین میں چند ایسے لوگ بھی ہوتے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ توفیق ارزانی فرمائی تھی کہ مجلس میں ہونے والے مذاکرات کا ایک ایک لفظ قلم بند کرلیں۔ چنانچہ حضرت زین بدر عربی' اشرف رکن' شیخ شہاب الدین عماد اور صلاح مخلص داؤد خانی کا بعد کے لوگوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حضرت مخدوم کی مجلسوں کی مکمل رپورٹنگ کی اور 'ملفوظات مخدوم جھاں' وجود میں آئے۔ مخدوم کے زمانے سے لے کر آج تک بزرگوں نے ان ملفوظات کو اپنے بعد والی پشتوں کو منتقل کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ کلمات مخدوم میں کوئی اور بات شامل نہ ہونے پائے۔ چنانچہ آج بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملفوظات مخدوم انکے یہاں منعقد ہونے والی روزانہ نشستوں کی من و عن رپورٹنگ ہے 'الحاقیات سے بالکل پاک اور نہایت مستند۔ ان ملفوظات کو پڑھنے کے دوران ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا بذات خود مخدوم کی مجلس میں حاضر ہے اور ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سن رہا ہے۔ اور اس کے درون میں ایسی تبدیلی واقع ہو رہی ہے جسے بجا طور پر خوشگوار اور پاکیزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو

مولانا کریم الدین عرض داشت که حدیث کرا گویند. فرمود که وحی جلی است و حی خفی است.وحی جلی آنست که بواسطۂ جبرئیل علیه السلام بود.آں قرآن است که جمله قرآن مجید بواسطۂ جبرئیل صلوٰت الله علیه رسید اماوحی خفی آنست که بے واسطۂ جبرئیل علیه السلام نازل شده واز حضرت مآب منقول است ایں قسم را حدیث می گویند."

ترجمہ : مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ حدیث

کسے کہتے ہیں۔ فرمایا وحی جلی (بھی ہوتی) ہے اور خفی (بھی ہوتی) ہے۔ وحی جلی وہ ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے (نازل) ہوئی۔ یہ قرآن ہے کیونکہ پورا قرآن مجید جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آیا۔ لیکن وحی خفی وہ ہے جو بے واسطہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئی اور حضرت (رسالت) مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس قسم کو حدیث کہتے ہیں۔

(خوان پر نعمت 'مجلس ششم')

علم دونوع است کسبی و غیرکسبی علم سینه به سینه۔بعد از اں فرمود که بغیر بیان زبانی هم سخن گفته اند۔سینه به سینه زبان راخبر نه ۔چنانکه حضرت رسالت مآب صلی الله علیه وسلم درحق صدیق اکبر رضی الله تعالیٰ فرموده اند ...... ما صبّ الله شانی صدری الاوقد صبت فی صدر ابوبکراین از سینه به سینه بودوزبان درمیان نه ۔امااین رامریدے باید چوں ابابکر صدیق رضی الله تعالیٰ عنه۔

ترجمہ : علم کی دو قسمیں ہیں، کسبی اور غیر کسبی علم سینہ بہ سینہ۔ اس کے بعد فرمایا زبان سے کہے بغیر بھی (لوگوں نے) گفتگو کی ہے 'سینہ بہ سینہ کہ زبان کو (اس کی مطلق) خبر نہیں۔ جیسا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا ہے کہ میرے سینے میں اللہ نے جو کچھ ڈالا وہ سب میں نے ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا۔ یہ سینہ بہ سینہ تھا۔ زبان درمیان میں نہ تھی۔ لیکن اس کیلئے مرید چاہئے ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا۔

(مخ المعانی مجلس سیزدھم)

مخدوم جہاں کے ملفوظات کی تعداد بارہ بتائی جاتی ہے۔ان میں اکثر مطبوعہ ہیں۔چند ایک قلمی بھی ہیں اور بہار کی مختلف خانقاہوں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ان کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) اسباب النجاۃ لفرقتہ العصاۃ

(۲) بحرالمعانی (تحفہ غیبی فوائد غیبی)

(۳)	خوان پر نعمت	(۴)	راحت القلوب
(۵)	کنزالمعانی	(۶)	گنج لا یفنیٰ
(۷)	مخ المعانی	(۸)	مراۃ المحققین
(۹)	معدن المعانی	(۱۰)	معزالمعانی
(۱۱)	ملفوظ الصفر	(۱۲)	مونس المریدین

مکتوبات: مخدوم جہاں کا ایک اہم کارنامہ ان کے مکتوبات ہیں۔مکتوب جسے نصف ملاقات کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک طرف گفتگو ہوتی ہے۔اور دوسری طرف خاموشی' بے تکلف اظہار خیال کا موثر ذریعہ ہے۔ حضرت مخدوم نے اپنے مریدوں 'احباب اور عزیزوں کو کثرت سے خطوط لکھے ہیں۔اللہ کا شکر ہے اور بزرگوں کا احسان ہے کہ حضرت کے مکتوبات کے تین اہم مجموعے ہم تک پہنچے۔

(۱) **مکتوبات صدی:** یہ مکاتیب قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں۔ان کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب مذکور مخدوم جہاں کے مرید تھے اور انتظام مملکت میں مشغولیت کے سبب انہیں مخدوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملتا تھا۔اسلئے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ کی گئی۔ان مکتوبات میں عقائد کی صحت 'اخلاق کی درستی 'طمع اور نفاق سے بچنے کی تلقین' سعادت اور شقاوت کا فرق 'نیز دیگر اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ

مجموعہ سو مکاتیب پر مشتمل ہے اور اسے حضرت زین بدر عربی نے جمع کیا ہے۔ مطبوعہ ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۲) مکتوبات دو صدی : یہ مجموعہ دو سو مکاتیب پر مشتمل ہے۔ شروع کے ایک سو اکیاون مکتوبات حضرت بدر عربی کے جمع کردہ ہیں۔ اور بقیہ کے جامع محمد بن عیسیٰ بلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہیں۔ حضرت کے بعض مرید اور عقیدت مند جو قلت اسباب یا علائق دنیوی کے سبب آستانہ عالیہ پر حاضری دینے سے معذور تھے راہ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل مخدوم سے بذریعہ خط دریافت کرتے اور مخدوم انہیں جواب دیتے۔ ان ہی جوابی مکتوبات کا مجموعہ مکتوبات دو صدی ہے اور مطبوعہ ہے نیز اس کا بھی اردو ترجمہ شائع ہو گیا ہے۔

مکتوبات بست و هشت : یہ مکاتیب حضرت مولانا مظفر بلخی کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ اٹھائیس خطوط کا مجموعہ ہے۔ حضرت مخدوم نے مولانا کے نام دو سو سے زائد خطوط لکھے تھے۔ جن کو وہ عوام کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ بوقت وصال انہوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دئے جائیں۔ اتفاق سے اٹھائیس خطوط دفن ہونے سے رہ گئے اور اب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

تصانیف : ملفوظات اور مکتوبات کے علاوہ مخدوم جہاں نے چودہ عدد مستقل تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) اجوبہ اسولہ خورد — (۲) اجوبہ اسولہ کلاں
(۳) اشارات شرفی — (۴) ارشاد السالکین
(۵) ارشاد الطالبین — (۶) اوراد خورد
(۷) رسالہ در بدایت حال — (۸) رسالہ ذکروفوائد آں
(۹) رسالہ مکیہ — (۱۰) رسالہ وصول الی اللہ
(۱۱) شرح آداب المریدین — (۱۲) عقائد شرفی

(۱۳) فوائد المریدین (۱۴) فوائد رکنی

ان میں سے ہر رسالہ، ہر کتاب اپنی جگہ پر نہایت اہم اور وقیع ہے۔ موضوع کی وسعت اور عمق نے مخدوم جہاں کی سلیس اور رواں دواں زبان نیز پر کشش اور تفہیمی انداز بیان سے ہم آہنگ ہو کر ایک ایسا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ جسے بجاطور پر جلا بخش فکر و نظر اور دل میں اتر جانے والا ہی کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو :

قوله : (واظهرهٔ ماقال بعضهم اول التصوف علم واوسطه عمل وآخرهٔ موهبته.) وظاهر ترین جواب دریں مسئله آں است که گفت بعض ایشاں که اوّل تصوف علم است و اوسط تصوف عمل است وآخر تصوف بخشش است یعنی اول ایں طائفه علم شریعت خالصاً للّهه تعالیٰ حاصل کند پس بداں علم خالصاً لله تعالیٰ عمل کنند. پس آخر بخشش یابند که بداں سزا وار حق گردند و قرب حق بصفت است نه بمکان.

ترجمہ : (جو کچھ بعضوں نے کہا اس سے ظاہر ہے کہ تصوف کی ابتداء علم ہے اور اوسط اس کا عمل اور نہایت اسکی موہبت ہے) اور کھلا ہوا جواب اس مسئلہ میں وہی ہے جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ تصوف کی ابتدا علم ہے اور اسکا اوسط عمل ہے اور انتہا موہبت (یعنی خدائے تعالیٰ کی دین) ہے۔ یعنی یہ گروہ پہلے خالص اللہ تعالیٰ کیلئے علم شریعت حاصل کرتا ہے۔ پھر خالص اللہ تعالیٰ کیلئے اس علم پر عمل کرتا ہے۔ اسکے بعد آخر میں بطور بخشش سزاوار قرب حق گردانا جاتا ہے۔ اور قرب حق صفت سے ہے نہ کہ مکان سے۔

(شرح اداب المریدین)

بداں اے برادر پاک بودن از گناہ از اوّل آفرینش تا آخر کارفرشتگان است و پلیدبودن از گناہ ازاول آفرینش تاآخر کار شیاطین است گناہ کردن و توبہ کردن کار آدم وفرزندان اوست.اے برادر بندہ بمجرد گناہ کردن ماخوذ نیست.ماخوذ بہ ترک توبہ است نہ عیبے اگربندہ گناھے کردد و توبہ کرد اجماع است کہ ماخوذ نیست.

ترجمہ: اے بھائی تمہیں معلوم ہو کہ پیدائش کے اول دن سے زندگی کی آخری ساعت تک گناہوں سے پاک رہنافرشتوں کاکام ہے۔ گناہوں میں اول سے آخر تک ملوث رہنا شیاطین کاکام ہے۔ گناہ کرنااوراس پر توبہ کرنا آدم اوراوران کی اولاد کاکام ہے۔اے بھائی!بندہ محض گناہ پرماخوذ نہیں ہوتا۔ماخوذ توتوبہ ترک کرنے پر ہوتا ہے نہ کہ گناہ پر۔اگر بندہ نے گناہ کیااور (ساتھ ہی) توبہ بھی کیاتواجماع ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں۔

(فوائد رکنی فائدہ سوم)

مخدوم کے مریدان خوش نصیب : مناقب الاصفیاء میں ہے کہ شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی نے فرمایاکہ شیخ جہاں کے مرید لاکھ سے زیادہ تھے۔ان لوگوں میں چالیس شخص واصل تھے۔اوران چالیس میں تین شخص مرد کامل تھے، شیخ مظفر، ملک زادہ، فضل اللہ اور مولانانظام الدین درون حصاری۔ اور تینوں مردوں میں آتش عشق کاشعلہ شیخ مظفر کوپہنچا اور اس کا دھواں بقیہ مردوں کو۔اس حکایت کے بعض ناقل نے کہاہے کہ تین سو نفر واصل بحق تھے۔

خلفائے عظام : بزرگوں نے رشدوہدایت کے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ مجلسوں کاانعقاد کیا، تصنیف و تالیف کاذریعہ اپنایا، دور دراز

کا سفر اختیار کیا۔ اور جہاں کسی سبب سے خود نہ جاسکے اپنے کسی ذی صلاحیت مرید کو بطور خاص تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اپنی نیابت و خلافت عطا کی اور بجائے خود وہاں بھیجا۔ الغرض کار رشد وہدایت زیادہ سے زیادہ آگے بڑھے اس کے لئے جو کچھ بن پڑا کیا۔

مخدوم جہاں نے بھی بزرگوں کی پیروی میں کار رشد وہدایت کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی اور اسی مقصد کے پیش نظر اپنے ذی صلاحیت وابستگان کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ کے خلفاء یوں تو بہت ہیں لیکن مولانا مظفر بلخی، مولانا آموں، مخدوم شاہ شعیب، سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری، شمس الدین خضر بدایونی اور مولانا نصیر الدین سنامی عظیم شہرت کے مالک ہوئے۔ مخدوم جہاں کا فیضان مولانا مظفر بلخی کے واسطے سے آج بھی جاری ہے۔

وفات: حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہٗ نے روز چہار شنبہ ۵؍ شوال المکرّم ۷۸۲ھ دن گزار کر مغرب اور عشاء کے درمیان دار آخرت کی طرف کوچ کیا۔ بتاریخ ۶؍ شوال المکرّم بوقت صبح آپ کی نماز جنازہ سنت نبوی کی پیروی میں لوگوں نے فرداً فرداً پڑھی اور آپ کو بڑی درگاہ بہار شریف میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے خادم خاص حضرت زین بدر عربی نے واقعہ وفات کے سولہ گھنٹوں کی روئداد بالتفصیل قلم بند کی ہے۔ یہ "**وفات نامہ مخدوم الملک**" کے نام سے مطبوعہ ہے۔ اس کے پڑھنے سے مخدوم کے وداع کا مکمل منظر نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

لطائف اشرفی ملفوظ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر میں ہے کہ مخدوم جہاں کی نماز جنازہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ لیکن مخدوم جہاں کے وابستگان نے اشارتاً بھی ایسا کہیں نہیں کہا ہے۔ حضرت زین بدر عربی نے واقعہ وفات کی ایک ایک تفصیل لکھی ہے مگر انھوں نے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ نیز جس وقت حضرت کا وصال ہوا اس

وقت مخدوم اشرف سفر میں کسی اور جگہ تھے۔ لہٰذا صحیح تر بات یہی ہے کہ حضرت کی نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھی گئی۔

مخدوم جہاں کا عرس شریف خانقاہ معظم بہار شریف کے زیر اہتمام ہر سال ۵/ شوال سے ۸/ شوال تک بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ زائرین دور دور سے آتے ہیں اور دامن مراد بھر کر جاتے ہیں۔

حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک قطعہ تاریخ کہا ہے۔ جس سے حضرت مخدوم کی تاریخ ولادت 'سال رحلت اور عمر شریف سب پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قطعہ تاریخ

شرف آگیں ولایت آں شاہ

۶۶۱ ہجری

پُرشرف سال رحلت آں ماہ

۷۸۲ ہجری

عمر مخدوم زندہ دائم

۱۲۱

رضی اللہ عنہ طاب ثراہ

✿✿✿✿✿✿✿

حضرت شمس الدین بلخی

نام: شمس الدین

وطن مالوف: بلخ

سلسلہ نسب: حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے 'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت'، میں حضرت شمس الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

سید شمس الدین بلخی ابن سید علی ابن سید حمید الدین ابن سید سراج الدین ابن سید بزرگ ابن سید محمود ابن سلطان ابراہیم ابن سید ادہم ابن سید سلیمان ابن سید ناصر الدین ابن محمد ابن یعقوب ابن احمد ابن الحق ابن زید ابن محمد ابن قاسم ابن امام زین العابدین ابن امام حسین شہید کربلا ابن شاہ مردان علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ۔

خاندانی پس منظر: تذکروں میں ہے کہ حضرت شاہ ادہم بن سلیمان درویش عارف تھے۔ ان کی شادی سلطان ابراہیم بن ناصر الدین فاروقی نسب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے ابراہیم بن ادہم تولد ہوئے۔ سلطان ابراہیم بن ناصر الدین کو اولاد نرینہ نہ تھی۔ اسلئے ابراہیم بن ادہم اپنے نانا کے بعد سلطان بلخ ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد انہوں نے بادشاہی ترک کی اور درویشی اختیار کی۔ آپ کے فرزندوں میں سلطان مظفر شمس بلخی اور سلطان معز شمس بلخی تک بادشاہی رہی۔ بالآخر انہوں نے بھی اپنے بزرگوں کی پیروی میں بادشاہی چھوڑ دی اور طلب خدا میں چل پڑے۔

حالات: حضرت شمس الدین بلخی علیہ الرحمہ ایک زمانے تک بلخ کی بادشاہت کا بار اٹھاتے رہے ۔جب طلب خدا کا جذبہ دل میں پیدا ہوا تو بادشاہت اپنے بڑے صاحبزادے **مظفر شمس بلخی** کے حوالے کی اور خود عازم دہلی ہوئے۔ '**مناقب الاصفیا**' میں ہے کہ

"آپ دهلی میں کسی عهده کا مشغله رکھتے تھے۔ایك دن اهل دیوان میں سے کسی شخص نے گوشه چشم سے ایك اشاره کسی چیز کی طرف کیا۔شیخ شمس الدین کی نظر اس پرپڑی۔ دل میں گزراکه یه نفاق کی علامت هے۔ایسی مجلس میں رهنا نه چاهئے۔ شغل جورکھتے تھے۔ترك کیااور دهلی سے نکلے۔جب بهار کے قریب پهنچے شیخ احمد چرم پوش اون کے آنے سے آگاه هوئے۔فرمایا ایك دوست آتا هے۔اپنے یاروں کو لے کر استقبال کیا۔ ملاقات کے بعد شیخ شمس مرید هوئے اور شیخ احمد چرم پوش کی خانقاه میں مشغول هوئے۔اوراپنے حرم کی طرف لکھ بھیجا که میں نے ترك دنیاء کیا۔تم اگر میری موافقت کرو اسباب و اموال کو بیٹوں کے سپرد کرکے اس طرف چلی آؤ۔اونِ کی حرم نے شیخ مظفر اورشیخ معزالدین دونوں بیٹوں کوکھا تم لوگ مال و اسباب لے لو۔ هم تمهارے باپ کی موافقت کریں گے۔ان لوگوں نے کھا که باپ کیلئے هم لوگ اولیٰ هیں۔هم بھی والد کی موافقت کریں گے۔پھرگھرلٹواکر چلے ۔ بهار آئے۔"

(وسیلہ شرف وذریعہ دولت بحوالہ مناقب الاصفیاء)

زمانہ : شیخ شمس الدین کی نہ تو تاریخ ولادت معلوم ہے نہ سال وفات کہیں

مذکور ہے لیکن آپ ہیں ساتویں تا آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ۔ یہ اس لئے کہ آپ حضرت **مخدوم سیداحمد چرم پوش** رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت سن کر بہار آئے۔ جن کی تاریخ ولادت ۶۵۷ھ ہے، جو تعلیم سے فراغت کے بعد ارادت سے مشرف ہوئے۔ خلافت سے نوازے گئے۔ اور ایک عرصہ تبت کے علاقہ میں بغرض تبلیغ دین گزارا۔ اندازہ کہ انھوں نے ۷۳۰ھ کے آس پاس بہار کا رُخ کیا۔ اور یہاں آکر محلہ انبیر میں اقامت اختیار کرلی۔ ظاہر ہے حضرت شمس الدین ۷۳۰ھ کے بعد ہی بہار تشریف لائے ہونگے۔ اس وقت آپ کے دوجوان بیٹے (**شیخ مظفر اورشیخ معزالدین** بھی موجود تھے۔ جنھیں انھوں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا اور ان دونوں نے بھی والد کی موافقت بعد میں کی تھی اور بہار چلے آئے تھے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب شیخ شمس الدین بہار شریف آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس سال رہی ہوگی۔ بہ الفاظ دیگر انکی تاریخ ولادت ۶۹۰ھ کے آس پاس رہی ہوگی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مظفر بلخی علیہ الرحمہ کا سال وفات ۷۸۸ھ ہے۔ آپ یقینی طور پر اس سے پہلے وفات پاچکے تھے۔ کیونکہ تذکروں میں اس وقت تک آپ کے بقید حیات رہنے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں فی الوقت ۱۴۲۳ھ ہے اور آپ کی انیسویں پشت وجود میں آچکی ہے۔ 'سہ پشت فی صد سال' کے اصولِ فن انساب کی روسے بھی آپ ساتویں تا آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ قرار پاتے ہیں۔

ارادت و خلافت: حضرت شیخ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ احمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت حاصل تھی جیسا کہ قبل مذکور ہوا اور اپنے پیر ومرشد سے انھیں خلافت بھی عطا ہوئی تھی جیسا کہ **"وسیلہ شرف و ذریعہ دولت"** میں حضرت صوفی منیری نے تحریر فرمایا ہے کہ

> **'شاہ مظفر اور شاہ معزالدین سلطنت چھوڑ کر اپنے والدماجد شاہ شمس الدین کی موافقت میں کہ حضرت**

احمد چرم پوش کے خلیفہ تھے بارادۂ بیعت بہار آئے۔

(وسیلہ شرف وذریعہ دولت)

اولاد وامجاد: حضرت شیخ شمس الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ کے تین صاحبزادگان ذی وقار تھے۔

(۱) حضرت مولانا **مظفر بلخی** قدس سرہٗ مرید و خلیفہ و جانشین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین قدس سرہٗ۔

(۲) حضرت مولانا **معزالدین بلخی** مرید حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش۔ آپ کی وفات مکہ معظمہ میں بتاریخ ۹/شوال ہوئی۔اس وقت آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا مظفر بلخی موجود تھے۔آپ کی وفات پر انھوں نے فرمایا کہ

"معزالدین مناسب یہ تھاکہ پہلے مجھ کو لے جاتے کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں۔

پھر فرمایا ہمارے اور تمہارے درمیان یہی پیراہن ہے۔"

(مناقب الاصفیاء بحوالہ وسیلہ شرف)

اور پیراہن کا گریبان ہاتھ میں لے کر اشارہ فرمایا۔اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا سال وفات ۷۸۸ھ سے پہلے ہے۔حضرت معزالدین بلخی کے صاحبزادے حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید مرید مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے تھے لیکن پروردہ اپنے عم بزرگوار مولانا مظفر بلخی کے تھے۔ مولانا کا فردوسی فیضان آپ ہی سے جاری ہوا۔

(۳) **حضرت قمرالدین :** بقول حضرت صوفی منیری

"مولانا قمرالدین بھی اہل تھے ہر علم میں مستعد۔ اکثر آپ سے (مولانا مظفر سے) مسئلہ روح میں سوال کرتے۔ آپ فرماتے اس میں رخصت نہیں ہے نہ پوچھو۔ باز نہیں آتے تھے۔اور استیعاب کرتے تھے۔ایک دن جب

پرسش زیادہ کی تو آپکی زبان مبارک سے نکلا کہ دانت بند کئے رہو۔اوران کو شیرینئ ترنگبیں کھانے کی بہت عادت تھی۔ایک دن ترنگبیں کھارہے تھے کہ ترنگبیں سے دانت پردانت سٹ گئے۔کتنی ہی تد بیر یں کیں نہ کھلے اور ان کا انتقال اسی میں ہوا۔ انتقال کے بعد آپ نے ان کو خواب میں دیکھا ۔پوچھا مسئلہ روح جو پوچھتے تھے حل ہوا۔بولے ہاں حق آپ کی طرف تھا۔کہ بیان نہیں کرتے تھے۔

حضرت قمرالدین کی صاحبزادی بی بی عروس کی شادی حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی بن معزالدین بلخی سے ہوئی تھی۔

وفات: حضرت شمس الدین بلخی کا سال وفات متعین طور پر معلوم نہیں ہے۔ لیکن یقینی طور پر ۸۸ے ھ کے پہلے یہ سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ آپ کا مدفن محلّہ انبیر میں واقع ہے جہاں آپ کی زندگی کا آخری دور گزرا۔

****

حضرت مخدوم زکی الدین رحمتہ اللہ علیہ

نام: زکی الدین

جائے پیدائش اور وطن: آپ سنار گاؤں بنگال میں اپنے نانا علامہ شرف الدین ابو توامہ کے گھر پیدا ہوئے۔ لیکن وطن آپ کا منیر تھا۔ جہاں آپ کے باپ دادا کا گھر تھا۔

سال ولادت: آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین قدس سرہٗ تعلیم سے فراغت کے بعد ۶۹۰ھ میں سنار گاؤں سے منیر آئے۔ ان کے ساتھ آپ بھی تھے۔ اس وقت آپ کی عمر تین یا چار سال کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۶۸۶ھ یا ۶۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔

حالات: آپ کے والد نے آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے حوالے کیا اور خدا طلبی میں نکل کھڑے ہوئے۔ بیعت کے بعد کامل تیس برسوں تک دشت نورحی میں گزارا۔ بعد ازاں بہار میں قیام اختیار کیا۔ اس طویل مدت میں حضرت زکی الدین علیہ الرحمہ نے اپنی دادی کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے۔ آپ کے دل میں جب خدا طلبی کا جذبہ بیدار ہوا تو اپنے بزرگوں کی اجازت سے طلب حق میں نکلے۔ آپ کے چھوٹے چچا حضرت حبیب الدین کو آپ سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ اور سفر و حضر میں برابر آپ کے ساتھ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اثنائے راہ ایک بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ ان

سے مرید ہو گئے۔ بالآخر آپ نے شہر کوڑہ کلاں (کور کہہ) کا رُخ کیا۔ یہاں کا بادشاہ سید حسن آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہو۔ اور اپنی صاحبزادی کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ بعدازاں آپ موضع شکرڈیہہ من مضافات سیوڑھی، ضلع بیر بھوم (جواب مخدوم نگر سکڈھ ضلع بردوان کہلاتا ہے) میں مقیم ہو گئے۔

اولاد: آپ کی ایک ہی صاحبزادی بی بی بارکہ ہوئیں۔ جو ایام شیر خوارگی میں والدین کے انتقال کے بعد بہار لائی گئیں۔ اور اپنے دادا مخدوم جہاں اور پردادی کے زیرسایہ پلی بڑھیں۔ ان کا نکاح حضرت وحید الدین چلہ کش خواہر زادہ حضرت نجیب الدین فردوسی سے ہوا۔ اور آپکی اولاد مخدوم آباد علاقہ ارول میں آباد رہی۔

وفات اور مدفن: مخدوم زکی الدین کا انتقال عین عالم شباب میں ہوا۔ سال وفات کہیں مذکور نہیں ہے۔ آپ کا اور آپ کی اہلیہ کا مزار موضع شکرڈیہہ (مخدوم نگر) میں ہے۔ آپ کے چھوٹے چچا حضرت حبیب الدین بھی شکرڈیہہ ہی میں مدفون ہوئے۔

****

حضرت مخدوم جلیل الدین رحمتہ اللہ علیہ

نام: جلیل الدین احمد

وطن: منیر شریف۔ صوبۂ بہار کا مشہور قصبہ

سال ولادت: ۶۶۱ھ کے چند سال قبل۔

حالات: آپ کی تعلیم و تربیت گھر ہی پر ہوئی۔ طلب پیر میں اپنے بھائی حضرت شیخ شرف الدین قدس سرہٗ کے ہمراہ عازم دہلی ہوئے اور ان کے ساتھ ہی خواجہ نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں حاضری دی۔ وہاں سے پانی پت گئے۔ حضرت شاہ بو علی قلندر کے حضور میں گئے۔ کہیں در مقصود ہاتھ نہ آیا۔ پھر دہلی واپس ہوئے۔ یہاں حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کی روش' طریقہ اور مناقب کا ذکر سنا۔ بھائی سے کہا بلکہ اصرار کیا کہ حضرت خواجہ سے ملاقات کر لینی چاہئے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ دونوں بھائی حضرت خواجہ نجیب الدین کے یہاں حاضر ہوئے۔ اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ واپسی میں بہئیا کے قریب آپ کے بھائی حضرت شیخ شرف الدین پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ اور انھوں نے خود کو جنگل میں ڈال دیا۔ آپ نے دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ بھائی کو بہت تلاش کیا وہ نہ ملے۔ مجبوراً پیر و مرشد نے جو اجازت نامہ اور وصیت نامہ حضرت شیخ شرف الدین کو عطا کیا تھا اسے لیکر منیر آئے اور والدہ کے سپرد کیا اور خود اللہ کی یاد میں لگ پڑے۔

ارادت اور خلافت: جیسا کہ ذکر ہوا آپ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی سے سلسلہ فردوسیہ میں مرید تھے۔ لیکن خلافت انہیں والد ماجد حضرت مخدوم یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردیہ کی حاصل تھی۔

وفات اور مدفن : آپ کی وفات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات سے پہلے یعنی ۷۸۲ھ کے قبل ہوئی۔ مدفن منیر میں ہے۔

****

حضرت مخدوم چولھائی رحمتہ اللہ علیہ

نام: چولھائی

وطن موضع بدمرہ قریب کاکو (قصبہ کاکو شہر جہاں آباد سے پانچ کیلو میٹر کے فاصلہ پر آباد ہے۔) "گنج ارشدی" صفحہ نمبر ۱۱۷ میں ہے کہ

درموضع بدمرہ قریب موضع کاکو چلہ مخدوم جہاں است۔چلھائی ساکن آں موضع و قوم اھیر بود۔

ترجمہ : موضع کاکو کے قریب موضع بدمرہ میں مخدوم جہاں کا چلہ ہے۔ چولہائی اس موضع کے رہنے والے تھے اور قوم کے اہیر (گوالہ) تھے۔

حالات : حضرت چولہائی مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے۔ جب سے مخدوم کے قدموں میں آئے۔ ہمیشہ ساتھ رہے۔ کبھی جدائی گوارا نہیں کی۔ مخدوم کے گھر چولھا نہیں جلتا تھا۔ والدہ کے لئے جو کچھ مقرر تھا اسے حضرت چولھائی پہنچایا کرتے۔ علاوہ ازیں مخدوم کی ڈیوڑھی کی دربانی بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ تذکروں میں ہے کہ ایک دن مخدوم جہاں حجرے میں مشغول تھے۔ اور حضرت چولہائی دروازے پر بیٹھے تھے کہ حضرت شمس الدین حاکم چوسہ آئے۔ اور چولھائی کے منع کرنے کے باوجود

حجرے کے اندر چلے گئے اور سلام کیا۔ مخدوم جہاں نے غایت مشغولی کے سبب جواب نہ دیا۔ پھر چند سوالات کئے۔ جس کے جواب میں مخدوم نے ایسی باتیں کہیں جو علمائے ظاہر کے نقطہ نظر کے خلاف تھیں۔ حاکم چوسہ کبیدہ خاطر ہو کر واپس ہو گئے۔ جب کیفیت خاص دور ہوئی تو مخدوم نے چولہائی کو آواز دی اور پوچھا کہ کوئی آیا تھا۔ چولھائی نے کہا کہ ہاں! حاکم چوسہ آئے تھے اور جو کچھ گزرا تھا بیان کیا۔ آپ نے فوراً کہا کہ میرے ہاتھ باندھ کر حاکم کے پاس لے چلو۔ جیسا حکم تھا چولہائی نے کیا۔ حاکم چوسہ کو جب مخدوم کے اس طرح آنے کی خبر ملی فوراً گھر سے باہر آئے اور مخدوم کا ہاتھ کھول کر معذرت خواہ ہوئے۔ الغرض حضرت چولہائی نے ساری زندگی مخدوم کی خدمت میں گزار دی۔

وسیلہ شرف وذریعہ دولت میں ہے کہ

" شیخ چولھائی رحمتہ اللہ علیہ کے مسلمان ھونے کا قصہ یہ ھے کہ جس زمانے میں آپ جنگل بھیا میں تھے ایك دن چولھائی کہ گاؤ بان تھے یعنی گوالے گائیں چرارھے تھے .آپ نے فرمایا کہ اس گائے سے تھوڑا دودھ ھم کودوہ دو۔چولھائی نے کھا کہ یہ گو سالہ ھے۔ابھی اس نے بچہ نھیں دیا ھے۔ پھرآپ نے فرمایا دوھو تو۔ چولھائی نے کھا ابھی نر سے جفت بھی نھیں‌ھوئی ھے۔ پھر آپ نے فرمایا دوہ کردیکھو۔بھت اصرار سے چولھائی غصہ میں آکر دوھنے لگے۔ تو اتنادودھ ھواکہ برتن بھرگیا۔ پھر تو بے دام ودرم غلام ھوگئے کھنے لگے کہ اب ھم یہ قدم کھاں چھوڑیں گے۔ گائیں وھیں چھوڑا اور گھر بار سب کوترك کر کے ذاکروشاغل ھوئے اور کامل و واصل ھوئے۔"

(وسیلہ شرف وذریعہ دولت صفحہ نمبر ۵۲)

وفات اورمدفن : 'وفات نامہ مخدوم جہاں' میں ہر اس شخص کا ذکر ہے جو آپ سے قریب تھا لیکن حضرت چولھائی کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپکی وفات مخدوم جہاں کی وفات سے پہلے ہو چکی تھی۔ قبر مخدوم جہاں کے مزار کے قریب ہے۔

****

حضرت خواجہ محمد تالا رحمتہ اللہ علیہ

نام ولقب : محمد تالا' نام...... خواجہ لقب

حالات: آپ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین علیہ الرحمہ کے زمانے کے صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ بہار شریف میں بودوباش رکھتے تھے۔ آپ کے متعلق 'گنج ارشدی' میں ہے کہ

'در آں خولجہ محمد تالا خواهرزادہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء'

ترجمہ :وہاں (بہار میں) خواجہ محمد تالا حضرت نظام الدین اولیاء کے بھانجے ہیں۔

('گنج ارشدی صفحہ نمبر ۱۱۶۰')

'وسیلہ شرف وذریعہ دولت' میں ہے کہ

"ایک بار مخدوم جہاں نے شیخ محمد تالا کو کہا کہ تم کلاہ کیوں نہیں دیتے اور مرید کیوں نہیں کرتے شیخ محمد نے کہا کہ مخدوم میرا نفس، گریہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تو کلاہ دے بازار کی سختیاں کون کھائے۔ فرمایا تم اس بلا میں کہاں پڑو گے۔"

('وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر ۳۷')

مندرجہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ محمد تالا اور حضرت مخدوم جہاں کے درمیان گہرے اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ لیکن کس سلسلے کے اسکا پتہ نہیں چلتا۔

وفات اور مدفن: 'وفات نامہ مخدوم جہاں' میں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۷۸۲ھ کے قبل وفات پا چکے تھے۔ آپ کی قبر مخدوم جہاں کے احاطے میں ہے۔

****

حضرت مولانا آموں علیہ الرحمہ

نام: آموں

مولد و مسکن: موضع ابراہیم پور چرولیاں ضلع مونگیر (اب شیخپورہ)

سلسلہ نسب: حضرت مولانا آموں علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب 'تحقیقات المعانی' میں اس طرح درج ہے۔

حضرت مولانا آموں بن مولانا شاہ ابراہیم بن شیخ عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز بن اسرائیل بن عبداللہ چوسوی بن عبدالواحد حقانی بن ابوالقاسم بن ابومسعود اصفہانی بن ابونجیب بن امام ابوسعید بن امام ابوالولیس بن امام ابواللیث بن امام ابوالحق بن امام ابوزید بن امام عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ابولہاشم۔

(تحقیقات المعانی مجلس سوم)

حالات: حضرت نے اپنے خاندانی نیز ذاتی حالات بزبان خود ایک مجلس میں بیان فرمائے جو اختصار کے ساتھ تحقیقات المعانی میں اس طرح مذکور ہے۔

"(حضرت) ۱۶ر رجب المرجب نماز فجر کے بعد حاضرین مجلس کے پاس آئے۔ سائلین کے سوال کے مطابق اور دریافت کرنے پر کہ ان کے بزرگوں نے کس کس طرح نقل مکانی کیا اسے وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے بزرگوں کا مولد و مسکن اصفہان تھا۔ خاندان کے ایک بزرگ شیخ عبد اللہ چوسوی نے چوسہ آکر اقامت اختیار کرلی۔ آپ اسی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت ابراہیم مع اہل و عیال موضع چرولیاں آکر مقیم ہوگئے۔ بعد میں اس موضع کا نام اسی مناسبت سے ابراہیم پور چرولیاں پڑا۔ حضرت ابراہیم مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ اسی وجہہ سے حضرت مخدوم جہاں اکثر اسی راستے سے اپنے چچازاد بھائی اور مرید حضرت شاہ شعیب اور حضرت شاہ معز مغربی سے ملنے جاتے تھے۔ سر راہ حضرت مخدوم جہاں سے میری ملاقات ہوگئی۔ آپ نے شفقت فرمائی اور کھانے کے لئے کچھ طلب فرمایا۔ اسی کھانے میں سے ایک لقمہ کا کچھ حصہ چبا کر اپنے دست مبارک سے میرے منہہ میں ڈال دیا جس سے میرے دل میں ایک نورانی کیفیت پیدا ہوئی۔ تمام دنیاوی وابستگی سے دل پھر گیا۔ اس وقت سے مخدوم کی صحبت اختیار کی اور ہمیشہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہا۔ اسی اثناء میں اکتساب علوم ظاہری سے بھی فراغت پائی اور حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ اسی دوران میں صوبہ بہار کے حاکم وقت مسمّی کامگار ملقب بمجد الملک مقطع نے کچھ زمین برائے خرچ متعلقان عطا کرنا چاہا۔ ابتداءً انکار کر دیا

لیکن بعد میں حضرت مخدوم کے حکم سے قبول کرلیا۔ ایک دن حضرت نے ایک جگہ اپنے دست مبارک سے گلچکاں کا درخت نصب فرماتے ہوئے تاکید کی کہ یہاں پر ایک باغ لگاؤ اور زبان مبارک سے یہ فرمایا **هذا الارض مكان و مقام و مسكن اولادك.**

ارادت و خلافت: حضرت مولانا آموں کو ارادت و خلافت حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ سے تھی۔

اولاد امجاد: تذکروں میں آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے حضرت ارزانی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر ملتا ہے۔ جو آپ کے مرید بھی تھے اور خلیفہ و جانشین بھی۔

ملفوظ مبارک: اس ملفوظ کا دوسرا نام تحقیقات المعانی بھی ہے۔ یہ حضرت مولانا آموں کے ملفوظ کا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع حضرت کے صاحبزادے حضرت ارزانی علیہ الرحمہ ہیں۔ اس میں دو باب ہیں۔ اور ہر باب میں تین مجلسیں ہیں۔ باب اوّل مجلس اول ۵؍رجب مجلس دوم ۶؍رجب مجلس سوم درذکر کردن قریہ شیخپورہ۔ باب دوم مجلس اول ۸؍رجب مجلس دوم ۹؍رجب مجلس سوم ۴؍شعبان ۷۸۴ھ۔ اس میں نسب نامہ حضرت مخدوم جہاں اور مولانا آموں اور مولانا مظفر درج ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں اور مولانا آموں کے کچھ حالات ہیں۔ یہ رسالہ ۷۸۴ھ میں جمع کیا گیا ہے۔

وفات: حضرت مولانا آموں علیہ الرحمہ کا انتقال ۴؍شعبان ۷۸۴ھ دوپہر کے وقت ہوا۔ جسکی تفصیل تحقیقات المعانی میں اس طرح ہے۔

'......۲۵؍روز حجرہ نشینی کے بعد سجادہ مبارک پر بیٹھے۔ اور تمام مریدوں اور طالبوں کو پوری تاکید کی اور خواہش کے ساتھ طلب فرمایا۔ چنانچہ تمام مریدین و طالبین و دوستان دوزانو ہو کر آپ کے گرد بیٹھے۔ پھر آپ نے اپنے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ آج

میرا سفر آخرت ہے۔ اگر میری آبرو رہے گی تو کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ لیکن میری وصیت تمام دوستوں اور عزیزوں کو یہ ہے کہ بیاد مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ یہ کلام درد انگیز سن کر ہر ایک آہ بھرنے لگا اور آنکھیں پر آب ہو گئیں۔ لوگوں نے افسوس اور صدمہ کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ ہم لوگوں کی شامت نفسی ہے کہ ایسی ذات بابرکات سے جس سے تمام مریدین و طالبان فیضیاب ہوتے تھے۔ اب محروم ہوتے ہیں۔ جب یہ امر ناگزیر ہے تو پھر **رضینا بالقضاءِ اللّٰہ تعالیٰ**۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ہم لوگوں کو راضی ہونا چاہئے۔ پھر اپنی عنایت سے اس عاصی بیچارہ (ارزانی) کو اپنے پاس بلا کر حاضرین مجلس کے سامنے سجادہ پر بٹھایا۔ اور دستار خاص اور تبرکات وغیرہ سے نوازا۔ اور اس رسالہ میں وفات کا سال اور ماہ اور روز لکھنے کی زبان مبارک سے تاکید فرمائی۔ چنانچہ اسی وقت بطور الہام غیبی مرثیہ حضرت کی تاریخ دل میں اتر گئی۔ 'در شرف بصدف آمدند' جب مرثیہ مذکور کو میں نے عرض کیا پسند فرمایا۔ اور بہت محظوظ ہوئے۔ اور فرمایا کہ یہ مرثیہ ایسا ہے کہ اسے رسالہ میں درج کیا جائے۔ حکم کے مطابق اسے رسالہ میں محفوظ کر لیا۔ پھر تمام حاضرین کو علیحدہ علیحدہ رخصت کیا۔ پھر خود حجرہ مبارک میں خدا کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ جمعہ کے دن ۱۴ر شعبان المعظم ۸۴۲ھ نماز چاشت کے وقت انتقال فرمایا اور ظہر کے وقت مدفون ہوئے۔

آپکا مزار مبارک موضع چرواہاں میں ایک چہار دیواری کے احاطے کے اندر ہے اور مرجع خلائق ہے۔ حضرت صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے رحلت کی قطعہ تاریخ کہی ہے۔

مخدوم شاہ آموں از بہر نذر جاناں
رخشندہ گوہر جاں چوں از صدف بر آورد

زد غوطہ ہا مبارک در بحر فکر سالش
تاریخ انتقالش درشرف بر آورد
۷۸۴ھ

****

حضرت مظفر بلخی قدس سرہ

نام ولقب : مظفر 'نام...... امام العشاق' مولانا' لقب۔ حضرت مولانا مظفر بلخی کو مولانا کالقب دربار رسالت سے عطاہوا تھا۔ اس کا تذکرہ خود مولانا نے اپنے ایک مکتوب (مکتوب صد وشست و پنجم) میں کیا ہے۔

وطن: بلخ۔ افغانستان کے نواح شمال کا ایک شہر

سلسلہ نسب:

حضرت مظفر بلخی بن شمس الدین بلخی بن سید علی بن سید حمید الدین بن سید سراج الدین بن سید بزرگ بن سید محمود بن سلطان ابراہیم بن سید ادہم بن سید سلطان بن سید ناصر الدین بن محمد بن یعقوب بن احمد بن الحق بن زید بن محمد بن قاسم بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مرتبہ علمی: آپکو علم شریعت میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تقریباً چار سال تک آپ نے مکۃ معظمہ میں حضرت شیخ شمس الدین خوارزمی سے قرأت قرآن و شاطبی سیکھی۔ قرآت سبعہ حضرت شیخ شمس الدین حلوائی

علیہ الرحمہ سے سیکھی اور صحیحین کی قرأت بھی کی اور حدیث کی سند حاصل کی۔ علاوہ ازیں صحاح ستہ کی سند بھی خطیب عدن سے حاصل کی۔ الغرض علمی اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

ورود ہند: آپ کے والد ماجد حضرت شمس الدین بلخی علیہ الرحمہ کے دل میں جب خدا طلبی کا جذبہ موجزن ہوا تو آپ نے بلخ کی حکومت اپنے صاحبزادگان کے سپرد کی اور عازم ہند ہوئے۔ چندے دہلی میں قیام کیا۔ پھر حضرت مخدوم سید احمد چرمپوش رحمتہ اللہ علیہ کا شہرہ سن کر بہار تشریف لائے اور ان سے مرید ہو کر یاد اللہ میں مشغول ہو گئے۔ اہلیہ کو اطلاع دی اور کہلوایا کہ اگر تم موافقت کرنا چاہو تو مال و ملک بیٹوں کے حوالے کر کے چلی آؤ۔ انھوں نے یہ بات بیٹوں سے کہی۔ بیٹوں نے کہا کہ باپ کی موافقت کے حقدار ہم لوگ زیادہ ہیں۔ اور والدہ کو ساتھ لیکر ہندوستان کا رُخ کیا۔ ظفر آباد میں کچھ دنوں مقیم رہے۔ پھر دونوں بھائی حضرت مولانا مظفر اور حضرت معزالدین اپنے والد ماجد کی خدمت میں بہار آئے۔ یہاں حضرت معزالدین نے والد کے شیخ، حضرت سید احمد چرم پوش رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی لیکن مولانا مظفر نے توقف کیا اور پیر کامل کی جستجو میں لگے رہے۔

شرف بیعت: وسیلہ شرف وذریعہ دولت میں ہے کہ

> "ابتدائے حال میں آپ کو علم شریعت کا شغل پورے طور پر تھا۔ جس درویش کے پاس جاتے مشکلات علم کو پوچھتے جب جواب میں تشفی نہیں ہوتی اعتقاد درست نہیں کرتے۔ آپ کے والد شیخ شمس الدین، شیخ احمد چرم پوش کے خلیفہ تھے۔ آپ فرماتے شیخ احمد بزرگ ہیں۔ خوارق عادت بہت رکھتے ہیں یعنی صاحب کرامات ہیں۔ لیکن ہمارا اعتقاد اس پر ہے کہ علم میں راسخ ہو۔ ان دنوں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری کے تبحر کا شہرہ۔ شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت چاروں طرح کے علم میں

ایک جہاں کو گھیرے ہوئے تھا۔ آپ کی طبیعت کی خواہش مخدوم جہاں کی طرف مائل تھی لیکن باپ کی رضامندی کے سبب سے توجہ میں دیر کرتے تھے۔ باپ کو جب معلوم ہوا فرمایا رائے تمہاری رائے ہے۔ جہاں تمہارا عقیدہ ٹھہرے وہاں توجہ کرو۔ پھر مخدوم جہاں کی خدمت میں آئے۔ جو کچھ مشکلات علمی رکھتے تھے پوچھا مخدوم جہاں نے ان کے جواب شافی دئے۔ اگرچہ آپ نے زیادتی علم سے **لانسلم** بہت کہا۔ مخدوم جہاں بسبب اوس اخلاق کے جو آپ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ گرم باتیں نہ بولے۔ بیان واضح سے ان کی مشکلوں کو حل کیا۔ آخر مجلس میں اپنی بحث کی دلیری پر پشیمان ہوئے۔ اور اخلاق مخدوم جہاں پر بے اختیار دلدادہ ہوگئے۔ پھر ربط قلب حضرت مخدوم جہاں کے ساتھ پیدا ہوا۔ بلکہ پیر کی محبت کہ خداوند ذوالجلال کے فیض اور فضل سے ہے۔ باطن سے ظاہر ہوئی ۔ مرید ہونے کی درخواست کی اور مخدوم جہاں نے ان کو شرف ارادت سے مشرف کیا۔"

حصول علم برائے اللہ : مولانا مظفر قدس سرہٗ نے مرید ہونے کے بعد حضرت مخدوم جہاں قدس سرہٗ سے مشغولی راہ طریقت کی درخواست کی۔ کہا گیا کہ اب تک آپ نے جو کچھ پڑھا لکھا ہے۔ جاہ و منزلت کی نیت سے۔ راہ طریقت میں مشغولی کے لئے ایسا علم کچھ زیادہ ثمرہ نہ دیگا لہٰذا پھر سے خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے واسطے علم حاصل کیجئے۔ مولانا فی الفور پا پیادہ چل پڑے۔ پاؤں میں چھالے پڑگئے۔ بڑی مشکلوں سے دہلی پہنچے اور دو سال طلب علم میں مشغول رہے۔ آپ کے علم رسا کا شہرہ ہوا اور سلطان فیروز نے اپنے قائم کردہ کوشک میں انھیں درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا۔ ایک دن تدریس میں مشغول تھے کہ چند قوال آگئے اور کچھ گانے لگے۔ آپ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ بالاخانے سے نیچے کود پڑے اور گھر لٹوا کر بہار کا رُخ کیا۔

یہاں پیرو مرشد نے انھیں ریاضت کی راہ پر لگایا۔

ریاضت: مخدوم جہاں نے پہلے مرحلے میں انھیں فقرائے خانقاہ کی خدمت پر مامور کیا۔ آپ نہایت خوش دلی اور انہماک سے اس خدمت کو انجام دینے لگے۔ فقراء جو کہتے بجالاتے اور دل میں کوئی گرانی محسوس نہ کرتے۔ کپڑے اگر پھٹ جاتے تو پیوند لگا لیتے اور گرہیں ڈال دیتے۔ ایک دن مخدوم جہاں نے دیکھا کہ ان کے کپڑے بہت پھٹ گئے ہیں۔ لیکن ان کی پیشانی پر کوئی بل نہیں۔ فی الفور انھیں بیش قیمت کپڑے اور ہوادار مکان مہیا کرنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ لیکن آپ پر تو فقر کا بھید روشن ہو چکا تھا۔ آپ نے اس طرف ذرا بھی التفات نہ کیا۔

اس کے بعد مخدوم جہاں نے آپ کو اربعین میں بٹھایا۔ اس کیلئے راجگیر میں ایک حجرہ مقرر کیا گیا۔ تیس دن سے زیادہ ہی اربعین میں گزر چکے تھے کہ امیر شیخو قوال نے دروازۂ حجرہ کے پاس آکر گانا شروع کیا۔ آپ پر کیفیت طاری ہوگئی اور چلہ توڑ کر تواجد کرتے ہوئے حجرے سے باہر نکل پڑے۔ غالباً کوئی دوسرا مقام مشغولی کے لئے مقرر ہوا۔ ایک دن مقام مشغولی سے باہر آئے اور کہا کہ میں مشغولی میں بیٹھا ہوں۔ اور میرے دل میں اپنی منکوحہ کا خیال بار بار آتا ہے۔ ایسے میں مشغولی میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ کچھ دیر کے بعد کہا کہ میں نے فلاں کو طلاق دیا۔ مخدوم جہاں نے یہ سن کر کہا کہ تمھیں خلوت کی حاجت نہیں۔ جہاں چاہو رہو۔ اور جس حال میں چاہو رہو تمھارے لئے برابر ہے۔

مولانا مظفر بلخی نے دشت نوردی تو نہیں لیکن ریاضت و مجاہدہ کے تمام مراحل اپنے شیخ کی راست نگرانی میں طئے کئے اور ثمرات ریاضت سے بیش از بیش بہرہ ور ہوئے۔ وسیلہ شرف وذریعہ دولت میں ہے کہ

"ایک دن شیخ مظفر دہلیز پر ہاتھ اونچا کئے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ کی (مخدوم جہاں کی) نظر مبارک پڑی۔ دیکھا کہ گوشت بدن میں نہیں رہا ہے۔ پوست استخواں سے چسپیدہ ہے۔ پہلو

نکلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ جہاں نے قاضی زاہد کی طرف رُخ کیا اور فرمایا زاہد دیکھتے ہو کیا سدھ ہو گیا ہے یہ کہ لا نسلم کہتا ہوا آیا تھا اور بہت کچھ انعام واکرام ارزانی فرمایا۔"

(وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر ۸۵۔۸۴)

ولایت عدن: جب مولانا مظفر کمال شیخی کے درجہ کو پہنچے تو آپ کے شیخ حضرت مخدوم جہاں نے آپ کو ان کلمات سے سرفرازی بخشی کہ" تن **شرف الدین جان مظفر جان شرف الدین تن مظفر مظفر شرف الدین شرف الدین مظفر۔**" پھر حضرت مولانا کو عدن کی ولایت سپرد ہوئی کہ وہاں کی زمین مردہ قبول نہ کرتی تھی۔ جب کوئی مردہ مدفون کیا جاتا تھا زمین باہر پھینک دیتی تھی۔ آپ کے قدموں کی برکت سے یہ بات موقوف ہوئی۔

(وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر ۸۵۔ ۸۴)

کشف و کرامات: تذکروں میں ہے کہ ایک مرتبہ مولانا اپنے شیخ کی مجلس میں حاضر تھے۔ اس مجلس میں شیخ منہاج الدین جنہوں نے سات حج کیا تھا وہ بھی موجود تھے۔ بات فرضیت حج پر ہونے لگی۔ انھوں نے بطور تعریض مخدوم جہاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ حج ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور مخدوم جہاں عذر شرعی بیان فرماتے کہ مادر ضعیفہ کی خدمت پابند کئے ہوئے ہے۔ مولانا مظفر کو شیخ منہاج الدین کی باتیں ناگوار گزری اور انھوں نے غصہ میں کہا کتنا حج کئے جاؤ گے۔ غلام شرف کی آستین میں لو کعبہ دیکھو۔ یہ کہہ کر اپنی آستین آگے بڑھادی۔ شیخ منہاج نے جو دیکھا کعبہ شریف صاف صاف دکھائی دیا۔ بلکہ وہاں پر موجود کچھ اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ سب تعجب میں رہے۔ مخدوم جہاں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ نے مولانا سے کہا کہ جتنی دیر تم نے کرامت دکھانے میں لگایا۔ اتنی دیر کرامت دینے والے سے روگردانی کی۔

ایک مرتبہ مولانا نے مخدوم جہاں کو لکھ بھیجا کہ اثناء راہ درخت مجھ سے کلام کرتے ہیں۔ ایک درخت یہ کہتا ہے کہ مجھ سے چاندی بنتی ہے۔

مخدوم جہاں نے جواب دیا کہ آزمائش کرو اگر جھوٹ ہو تو شیطانی وسوسہ ہے **لاحول ولاقوۃ** پڑھو اور اگر سچ ہو تو' مجھے دکھاؤ۔ مولانا نے ایک رانگے کے کنگن پر اس درخت کا شیرہ ٹپکایا فوراً چاندی ہو گیا۔ اسے مخدوم جہاں کی خدمت میں بھیج دیا۔ مخدوم جہاں نے دیکھا تو یہ لکھ بھیجا کہ اے بھائی! ایسی چیزیں بہت دیکھنے میں آئینگی۔ التفات ان کی طرف نہیں کرنا چاہیئے کہ کام اس سے کہیں آگے ہے۔ اس کے بعد مولانا نے ان باتوں کی طرف کبھی التفات نہ کیا۔

مناظرہ: حضرت صوفی منیری نے اپنی تالیف "**وسیلہ شرف و ذریعہ دولت**" میں "**گنج لایخفیٰ**" اور "**مونس القلوب**" کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

"ایک بار مولانا مظفر بلخی کو بہار کے عالموں کے ساتھ بحث کا اتفاق ہوا۔ موضوع بحث کلام نفسی تھا۔ مولانا کہتے تھے کہ مسموع جو کچھ سننے میں آتا ہے۔ اور مقرہ یعنی جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ اور مکتوب یعنی جو کچھ لکھا جاتا ہے اور محفوظ یعنی جو کچھ دلوں میں یاد ہے حقیقتاً وہی کلام نفسی ہے بغیر حلول کے۔ اور وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ کلام نفسی نہیں ہے بلکہ کلام نفسی پر دال ہے۔ جب بحث نے بہت طول کھینچا تو آپ کی زبان سے نکل گیا کہ تم لوگ کیا سمجھو گے' تمہارے استادوں نے نہیں سمجھا ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو گراں گزری۔ چنانچہ انھوں نے محضر کیا اور مولانا نے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا اور اس میں دلائل منقول و معقول خوب بیان کئے۔ دوسرے دن مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام صورتحال کی تفصیل بتائی اور اپنے تحریر کردہ رسالے کو حضور میں پیش کیا۔ مخدوم نے ملاحظہ فرمایا اور ناخوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "**مولانا تم میرے پاس مسلمان ہونے کو آئے ہو۔ یا بحث کرنے کو۔ یہ جو تم نے لکھا ہے اسے کوئی سمجھے گا بھی۔ یہ لوگ تو**

جامد الطبع ھیں۔ " اور اس رسالے کو پارہ پارہ کر دیا۔ علمائے بہار مولانا کا انتظار کر کے آئے۔ معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں بھی مولانا کے ہم خیال ہیں چنانچہ واپس ہوگئے اور اپنے محضر کو دہلی بھیج دیا۔ وہاں کے علماء نے بھی وہی باتیں کہیں جو مولانا کہتے تھے۔

مولانا کامقام: **مونس القلوب** میں مذکور ہے کہ مخدوم جہاں کے خلفاء میں چہیتے دو خلیفہ تھے۔ مخدوم شیخ مظفر اور شیخ نصیر الدین سنامی۔ جب مخدوم مرحوم آتے تھے۔ حضرت مخدوم جہاں کبھی دروازے کے آگے تک اور کبھی کم و بیش آکر استقبال کرتے تھے۔ اور جب شیخ نصیر الدین آتے تھے مخدوم جہاں دوزانو ہو بیٹھتے تھے۔ قاضی زاہد نے مخدوم جہاں سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں کیا کروں جب مولانا مظفر آتے ہیں تو کوئی کہتا ہے کہ ماہ آتا ہے اور کوئی کہتا ہے شاہ آتا ہے۔ اور جب شیخ نصیر الدین آتے ہیں تو کہتا ہے مولانا آتا ہے۔

"**مناقب الاصفیاء**" میں ہے کہ شیخ الاسلام شیخ حسین معز بلخی نے فرمایا کہ مخدوم جہاں کے مرید لاکھ سے زیادہ تھے۔ ان لوگوں میں چالیس شخص واصل تھے۔ اور ان چالیس میں تین شخص مرد کامل تھے۔ شیخ مظفر، ملک زادہ فضل اللہ اور مولانا نظام الدین دروں حصاری اور تینوں مردوں میں آتش عشق کا شعلہ شیخ مظفر کو پہنچا اور اس کا دھواں بقیہ دونوں مردوں کو پہنچا۔

احوال: مونس القلوب میں ہے حضرت مولانا مظفر بلخی علیہ الرحمہ نے چالیس مرتبہ اپنا گھر لٹوایا۔ جب کچھ جمع ہوتا تھا لٹوا دیتے تھے۔ شیخ حسین بلخی فرماتے ہیں کہ جب آپ گھر لٹواتے تھے میں چھوٹا سا تھا۔ کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آتے اور کبھی مجھ کو بھی بھول جاتے تھے۔ کوئی دوسرا آدمی پکڑ کر مجھے ہجوم سے باہر نکالتا۔ بعض وقت کتابیں بھی لُٹ جاتی تھیں۔ اور حضرت مخدوم شاہ حسین قیمت دے کر واپس لیتے تھے۔ ایک دن کوئی سائل آیا حضرت شاہ حسین کا بقچہ سامنے رکھا ہوا تھا آپ نے اس کو دے دیا۔ دو تین کے بعد مخدوم

شیخ حسین اس بقچہ کو ڈھونڈھنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ. جب تم جانتے ہو میں ایسا بے دیانت ہوں تو میرے پاس کیوں چیز رکھتے ہو۔ آپ نے عرض کیا اگر آپ مجھے بھی کسی کو بخش دیں تو یہ میری سعادت ہے۔

تذکروں میں ہے کہ آپ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے۔ قیام مکہ معظّمہ کے دوران کوئی حاجت پیش آئی۔ حاجت براری کیلئے اپنے پیر و مرشد حضرت مخدوم جہاں کا برزخ قائم کرتے لیکن قائم نہ ہوتا۔ آخر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں۔ مظفر یہ زمین پیغمبروں کی ہے۔ شرف الدین ادب سے اس زمین میں تصرف نہیں کرتے۔ اگر کوئی حاجت ہو تو مجھ سے کہو میں اسے پورا کروں اور اگر شرف الدین ہی سے کہنا ہے تو یہاں سے اٹھ جانا چاہئے۔ "حضرت مولانا وہاں سے اُٹھ کر مکہ شریف سے کئی کوس باہر آئے۔ اور مخدوم جہاں کا برزخ قائم ہوا۔ اور مولانا کی مشکل حل ہوئی۔

مولانا کے احوال میں ایسے بہت سارے واقعات ہیں کہ ان کی تفصیل طول کلامی ہوگی۔ **"مناقب الاصفیا' مونس القلوب"** وغیرہ تذکروں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

رشد و ھدایت: مولانا مظفر نے بھی رشد و ہدایت کیلئے وہی طریقہ اپنایا جو مخدوم جہاں نے اختیار کیا تھا وہی مجالس مذاکرہ 'مکتوب نویسی اور تصنیف و تالیف۔

"گنج لایخفیٰ" ملفوظ شیخ حسین معز بلخی میں ہے کہ:

> آپ ایک مجلس سماع میں حاضر تھے۔ مولانا کے چند احباب بھی موجود تھے۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سماع کی زبان سے میں آپ لوگوں کو کچھ پیغام دیتا ہوں اور سماع آپ لوگوں کو کچھ کہتا ہے۔ اور یہ قطعہ پڑھا

گروہ نفس پرستاں سماع گردانند
یکے دوحرف بگویم من از زبان سماع

بزیرپائے بکوید هرچه غیر سماع
سماع ازاں شما و شما ازاں سماع

پھر فرمایا "غلہ کوٹھیوں میں ویسا ہی ہے، کپڑے کٹھری میں اسی طرح ہیں۔ کس چیز کو چھوڑا کہ پائے کوبی کرتے ہو۔"

تصنیفات :

(۱) **مکتوبات حضرت مولانامظفر بلخی**...... مکاتیب کا یہ مجموعہ ایک سو اکاسی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ان مکاتیب میں اردو یعنی بھاشا کے چھ دوہرے بھی ہیں۔

(۲) **دیوان مولانامظفر بلخی**

(۳) **شرح عقائد نسفی مع عقائد مظفری**

(۴) **رسالہ مظفریہ درهدایت درویشی**

سجادگی: "مناقب الاصفیاء" کے حوالے سے صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے "وسیلہ شرف و ذریعہ دولت" میں تحریر کیا ہے کہ:

"جب حضرت مخدوم جهاں نے رحلت فرمائی مخدوم شیخ مظفر حاضر نہ تھے۔ جب تک آپ آویں حضرت مخدوم جهاں کی خانقاہ میں بعضے مریدوں نے کلاہ دیناشروع کردیا تھا جب مولانا پهنچے لوگ روضۂ متبرکہ میں جمع ہوئے۔آپ نے کهاکہ آپ لوگ هرایك کو کلاہ جودیتے هیں کس دلیل سے دیتے هیں۔ مولانا شهاب الدین مانك پوری بولے میرے پاس حضرت مخدوم جهاں کی ٹوپیا ں تهیں وهی دیتاتها۔ سبهوں نے کها کہ اس کی کوئی اصل نهیں تو انهوں نے اسے ترك کیا۔ بعضے بولے کہ حضرت مخدوم جهاں نے مجھ کو اپنا غلاف دیاتها اسی سے کلاہ دیتا تها۔ پهرلوگوں نے مولانا سے پوچهاکہ آپ کیاحجت رکھتے

هیں۔آپ کا اجازت نامہ خاص حضرت مخدوم جہاں کے ہاتھ کالکھاہوا گھرمیں تھا۔ فرمایا میاں حسین جاؤ ۔ اجازت نامہ لاؤ۔مخدوم شیخ حسین تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ آپ نے فرمایا"میرا پیرمردہ نہیں ہے۔میں نے ایسا پیرنہیں کیاہے کہ مر جائے۔آؤ سب لوگ عرض کریں حضرت شیخ جس کوفرمائیں وہ خلیفہ ہو۔"یہ بات کہی اور قبرمبارک کی طرف چلے۔قاضی مخدوم عالم نے فرمایا تم لوگ چاہتے ہوکہ فتنہ قائم ہو۔میں جانتاہوں کہ جب یہ عرض کریں گے حضرت مخدوم ان کو جواب دیں گے۔یہ سن کر لوگ بازرہے اورحضرت مولاناسجادہ پر بیٹھے۔"

شادی اوراولاد : مولاناکی شادی تو ہوئی تھی لیکن اولاد نہ ہوئی۔ مخدوم جہاں نے فرمایاتھاکہ شیخ معزالدین بلخی کی اولادان کی اولاد ہوگی۔چنانچہ حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدابن شیخ معزالدین بلخی (برادر اوسط مولانا مظفر بلخی) بچپن ہی سے آپ کے کنار شفقت میں پلے بڑھے۔اور آپ ہی سے مولاناکافیضان جاری ہوا۔

خلفاء: (۱) **حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی** جوآپ کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے۔

(۲) **مولانا قمرالدین بلخی** مولانا کے برادر خرد۔

(۳) حضرت جمال الاولیاءاودھی۔

وفات 'مدفن اورتفویض سجادگی: ولایت عدن مولانا کے سپرد تھی۔ایک زمانے تک یہاں رہے یہاں تک کہ بیمار ہوئے۔بیماری نے طول کھینچا توآپ نے اپنے برادرزادہ حضرت شیخ حسین کوطلب فرمایا۔اور تمام تبرکات عطا فرمائے اور بہار جانے کا حکم دیاانہوں نے عرض کیاکہ اس جگہ بہت پیر ہیں۔میری کیاطاقت کہ وہاں سر اٹھاؤں۔فرمایا"واللہ جب توسر اٹھاوے میں کوئی سر نہ رکھوں۔"

پھر کچھ نصیحت فرمائی اور رحلت کی۔ جنت العدن میں روح پاک کا مسکن ہوا اور زمین عدن میں جسم مبارک کا مدفن۔ رمضان کی تیسری تاریخ تھی اور سن ۷۸۸ھ کا تھا۔ آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔ اور روضہ پیر ہندی کے نام سے مشہور ہے۔

قطعہ تاریخ وفات از صوفی منیری رحمتہ اللہ علیہ

چشمۂ فیض ذات اوست کزو　　رفتہ ہر سوئے جوئبار شرف
سال نقل مظفر بلخی　　جستم ویافتم **بھار شریف**

۷۸۸ھ

شعر تاریخ

روح مولانا مظفر کرد چوں نقل مکاں
از عدن درعدن شد تاریخ مخدوم زماں

****

حضرت مخدوم تیم اللہ سفید باز قدس سرہٗ

نام و لقب: تیم اللہ' نام...... سفید باز' لقب

وطن: جیٹھلی۔ جیو ٹھلی

سلسلہ نسب:

تیم اللہ سفید باز بن حمید الدین بن آدم صوفی بن سید ابراھم بن سید جلال چشتی بن سید حسن بن سید محمود بن سید ابراہیم ادہم بن سید سلیمان بن سید ناصر بن سید محمد بن سید یعقوب بن سید احمد بن سید الحق بن سید امام عمر بن سید محمد صوفی بن امام قاسم بن امام علی اصغر بن عمر اشرف بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمتہ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حالات: حضرت مخدوم تیم اللہ سفید باز مرید سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد کے تھے اور ان کے خلیفہ و جانشین بھی تھے۔ آپ سے بہار میں سلسلہ چشتیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اور کئی چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ آپ کو اپنے نانا حضرت شہاب الدین پیر جگجوت قدس سرہٗ اور اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی فیض پہنچا۔ جب حضرت مخدوم جہاں راجگیر کے جنگل میں تھے آپ اکثر حاضر خدمت ہوتے اور اکتساب فیض کرتے۔ تبلیغ دین اور بندگان خدا کو راہ ہدایت دکھانا بزرگان دین کا مشن رہا ہے۔ یہی مشن حضرت مخدوم تیم اللہ سفید

باز کا بھی تھا۔ جس کی تکمیل میں انھوں نے اپنی ساری زندگی لگادی۔

شادی اوراولاد: آپ کی شادی بہار شریف کے محلہ چشتیانہ میں ہوئی تھی۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید شاہ فیض اللہ تھے اور دو صاحبزادیاں بھی تھیں۔ سید شاہ فیض اللہ کی اولاد بہت پھیلی اور اس خانوادہ کے بزرگوں نے پشت بہ پشت چشتی فیضان کو وسیع سے وسیع تر کیا۔

خلفاء: آپکے تین نامور خلفاء ہوئے جنکے ذریعہ سلسلہ چشتیہ کو بڑا استحکام ملا۔

(۱) **حضرت سید شاہ فیض اللہ** جو اپنے والد کے جانشین بھی ہوئے۔ آپ نے موضع کرجی نزد دیگھا گھاٹ' پٹنہ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ انھوں نے یہاں ایک خانقاہ بھی قائم کی تھی جو جماعت خانہ کے نام سے مشہور تھی۔

(۲) **حضرت مخدوم شمس الدین عرف سمّن ارولی چشتی** آپ نے قصبہ ارول میں خانقاہ قائم کی اور دین کی تبلیغ کا کام کیا۔ ہنوز یہ خانقاہ سرگرم عمل ہے۔

(۳) **حضرت صوفی ضیاء الدین چنڈھوسی**۔ آپ کی خانقاہ چنڈھوس میں تھی۔

وفات اور مدفن: آپ نے ۹/ محرم الحرام ۹۰۷ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کی قبر بیجو بن نزد بہار شریف میں ہے۔

****

حضرت شیخ نصیر الدین سنامی (سمنانی)

نام : نصیر الدین

وطن : سنام یا سمنان

حالات : حضرت مولانا نصیر الدین کو حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین سے شرف بیعت حاصل تھا اور آپکا شمار مخدوم جہاں کے جید خلفاء میں ہوتا تھا۔ آپ جب مخدوم جہاں کی مجلس میں حاضر ہوتے تو مخدوم دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے۔ اسکا سبب جب مخدوم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ جب نصیر الدین آتے ہیں تو کوئی کہتا ہے کہ مولانا آتا ہے۔

مولانا نصیر الدین کے حالات تفصیل سے معلوم نہیں ہیں۔ مخدوم جہاں کے وفات کے وقت آپ موجود نہیں تھے۔ چنانچہ مولانا شہاب الدین نے مخدوم کو آپ کی یاد دلائی تو حضرت نے فرمایا کہ مظفر میری جان ہے اور میر اجاناں ہے اور مولانا نصیر الدین بھی ایسے ہیں۔ جو کچھ خلافت اور مقتدائی میں چاہیئے سب ان لوگوں میں موجود ہے۔ (وفات نامہ مخدوم جہاں)

مخدوم جہاں کی اولاد میں جو پہلے بزرگ مخدوم جہاں کی سجادگی پر بٹھائے گئے ان کا نام شاہ بھیکہ تھا اور انھیں بیعت حضرت بصیر الدین نور شامی سے حاصل تھی اور وہ مرید و خلیفہ حضرت شاہ صدر الدین رضا کے تھے۔ اور انھیں ارادت و خلافت حضرت نصیرالدین سمنانی سے تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سے سلسلہ بھی جاری ہوا۔ واللہ اعلم۔

وفات : آپ کی وفات ۷۸۲ھ کے بعد ہوئی۔ لیکن کب یہ معلوم نہیں ہے۔

****

حضرت قاضی شمس الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

نام: شمس الدین، نام

وطن: دمشق

حالات: حضرت قاضی شمس الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ چوسہ (بہار) کے قاضی تھے۔ اور مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہٗ کے مرید محبوب۔ انتظام مملکت میں مشغولیت کے سبب مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے انکی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوئی۔ مخدوم جہاں نے آپ کو ایک سو مکتوبات ارسال فرمائے۔ ان ہی مکتوبات کا مجموعہ "مکتوبات صدی" ہے۔ ان مکتوبات کے ذریعہ نہ صرف قاضی صاحب کی تعلیم ہوئی بلکہ دوسرے نہ جانے کتنے طالبوں نے فیض اٹھایا اور اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت زین بدر عربی "مکتوبات صدی" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اما بعد. حمدودرودمی گوید بندۂ ضعیف زین بدرعربی که چوں قاضی شمس الدین حاکم قصبه چوسه که یکے از مریدان اَست کرات و مرات عرائض می کردوغرض اصلی و مقصود اصلی درآں ایں بودکه ایں بیچاره از سبب موانع روزگار و زمانه اعذار از حضور مجلس مخدومی دور افتاده است و از ملازمت خدمت شیخ که سبب موجب حصول علم دینی و دنیوی است بازمانده

و ایں عجز بدیں التماس مقرون گزرانیدہ کہ
درھربابے از علم سلوک برقدر فھم ایں بندہ اگر
چیزے درقلم آید حظے و نصیبے ازاں برگیرد۔"
("مکتوبات صدی")

ترجمہ: حمد و درود کے بعد بندہ ضعیف زین بدر عربی
عرض کرتا ہے کہ جب قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو
آپکے مریدوں میں ہیں، مکرر اور مسلسل گزارش کی جسکا اصل
مقصد یہ تھا کہ یہ بیچارہ موانع روزگار اور معذوری اوقات کے
سبب اپنے مخدوم کے حضور مجلس سے دور پڑا ہے۔ اور شیخ کی
حاضری خدمت سے جو دینی اور دینوی علوم کے حصول کا سبب
ہے، محروم ہے۔ عاجزی سے یہ التماس کرتا ہے کہ علم سلوک کے
ہر باب میں اس غلام کی سمجھ کے موافق اگر کچھ حوالہ قلم کیا جائے
تو اس سے ذوق اور بختاوری حاصل کرے۔

مخدوم جہاں اپنے اس مرید مخلص پر جو شفقت رکھتے تھے اس کی ایک
جھلک "وفات نامہ مخدوم جہاں" میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ تحریر ہے کہ:

"مولانا شھاب الدین اور ھلال اورعتیق نے عرض کیا
کہ قاضی شمس الدین کے باب میں کیا حکم ھوتا
ھے۔فرمایا قاضی شمس الدین کو کیا کھوں گا۔قاضی
شمس الدین میرا فرزند ھے۔مکتوبات میں کتنی جگہ
اس کو فرزند لکھا ھے اور کھیں برادر۔علم درویشی
کے ظاھر ھونے کاباعث وھی ھے۔اسی کے واسطے اتنا
کھنا اور لکھنا پڑا ھے نھیں توکون لکھتا۔"

"گنج ارشدی" میں قاضی شمس الدین کے مرید ہونے کا واقعہ
تفصیل سے مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار قاضی صاحب دو چار

شاگردوں کے ساتھ مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا۔
مخدوم عالم استغراق میں تھے جواب نہ دے پائے۔ قاضی صاحب نے اپنے
عزیزوں سے کہا کہ گواہ رہنا میں نے شعار اسلام کا اظہار کیا اور انھوں نے ترک
شعار کیا۔ اس کے بعد کچھ دوسری باتیں ہوئیں۔ مخدوم جہاں کی زبان سے اس
کیفیت خاص میں کچھ ایسی باتیں نکل گئیں جو علمائے شرع کے نقطہ نظر کے
موافق نہ تھیں۔ قاضی صاحب نے لوگوں کو اس پر گواہ بنایا اور واپس ہو گئے۔
مخدوم جہاں نے جب عالم استغراق سے رجعت فرمائی تو شیخ چولھائی 'خادم
خاص نے تمام واقعات مخدوم سے بتائے۔ حضرت نے شیخ چولھائی سے کہا کہ
میرے ہاتھ کو رسی سے اتنا سخت باندھو کہ خون نکل آئے اور اسی حال میں
قاضی کے پاس لے چلو۔ شیخ چولھائی نے حکم کی تعمیل کی۔ جب قاضی صاحب
کو معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم بہ ایں حال تشریف لائے ہیں 'فوراً گھر سے
باہر آئے اور رسی کھولی اور حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

وفات: ''**وفات نامه مخدوم جهاں**''میں آپ کا ذکر جس طرح آیا ہے
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس وقت بقید حیات تھے۔ لہٰذا آپ کی وفات
۸۲ےھ کے بعد ہوئی ہے۔

****

حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ

نام: زین بدر

نسبت نسلی: عربی

حالات: آپ حضرت امام حسن کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین کے زمانے میں آپکا والدہ کے ساتھ بہار شریف میں مقیم ہونا تاریخی طور پر ثابت ہے۔"**وسیلہ شرف و ذریعہ دولت**" میں ہے کہ:

"حضرت زین بدر عربی نے کھاکہ میں ایام شباب میں شراب پی کر ماں کے پاس گیااور کچھ نقد ان سے مانگا۔بولیں اے فرزند اگرتم نے کچھ دیاھوتومانگو۔ شرمندہ ھوا۔وھاں سے باھرآیا۔آپ کا (مخدوم جھاں کا) قصد کیا۔سرخانقاہ میں لایا۔آپ کوقبلہ رُخ مصلّی پر بیٹھا دیکھا۔(مخدوم جھاں نے) رُخ میری طرف کیا اور فرمایا۔ قریب آؤ۔قریب گیا۔جائے نماز کاکونہ اٹھایا اور فرمایا دومٹھی سے زیادہ نہ اٹھائیو۔میں نے نگاہ کی۔جا نماز کے نیچے مالوں کادریادیکھا۔ھاتھ بڑھایا اوردومٹھی اٹھالیا اورباھرآیا اورماں کے پاس آیا۔جوں ھی ماں کی نظر مجھ پرپڑی ڈانٹا اوربولیں اے فرزند!ایسے بادشاہ سے تم نے دشمن خداکی درخواست کی۔وھاں سے

باھرآیا.اس سب کو چھٹی کیااور اپنامنھہ کالاکیا اور آپ کے پاس پھر آیا.دوبارہ توبہ کی۔"

(وسیلہ شرف و ذریعہ دولت صفحہ نمبر ۴۷۔۴۶)

حضرت زین بدر عربی مرید ہونے کے بعد ہمہ وقت مخدوم جہاں کی خدمت میں رہے۔ مخدوم کے زیادہ تر "مکتوبات" اور "ملفوظات" کے جامع حضرت زین بدر عربی ہی ہیں۔ "مکتوبات صدی مکمل" نیز "مکتوبات دو صدی" کے ابتدائی ۱۵۱ (ایک سو اکاون) مکتوبات اور ملفوظات میں "خوان پر نعمت" "راحت القلوب" "مخ المعانی" "معدن المعانی" اور "ملفوظ الصفر" حضرت زین بدر عربی کے جمع کردہ ہیں۔ اللہ کی بیشمار رحمت ان پر کہ ان کی کوششوں کا ثمرہ لوگوں کو صدیوں تک ملتا رہا اور آج بھی مل رہا ہے۔

حضرت زین بدر عربی پر مخدوم جہاں کی نظر شفقت برابر رہی۔ انھیں مخدوم کو کپڑا پہنانے کا شرف بھی حاصل رہا۔ "وفات نامہ مخدوم جھاں" میں مذکور ہے کہ:

"بے چارہ مسکین زین بدرعربی نے سرزمین پررکھا.ترساں ولرزاں تجدید بیعت اورتوبہ کی .خلوص نیت سے سلطان العارفین قدس سرہٗ کا دست مبارك پکڑا اورچوما اوراپنے سراور آنکھوں اورپتلیوں پر پھرایا.ارشادھوا کون ھے؟ عرض کیا اس آستانہ کا کتازین بدرعربی ھے ۔ توبہ کرتا ھے.اورچاھتا ھے کہ تجدید بیعت قبول فرمائیے.آپ نے فوراً فرمایا جاؤ میں نے تم کو قبول کیا اورتمھارے تمام گھر کوقبول کیا اورتمھارا خیلخانہ سب میرے متعلق ھے سب کو قبول کیا.اورکپڑے پھنانا تمھارے ذمہ تھا.تمھارے

فرزندوں کو بھی اختیار دیا۔خاطر جمع رکھو۔ اگر
میری آبرو رہے گی میں تم کو بھی نہ چھوڑوں گا۔
بیچارہ نے عرض کیا کہ مخدوم جہاں کے غلاموں
کو آبرو حاصل ہے۔فرمایا بہت کچھ امید ہے۔"

وفات اور مدفن : ۸۲ے ھ کے بعد وفات پائی اور روضۂ مخدوم جہاں کے احاطے میں حضرت مخدوم خلیل الدین کے زیر پائیں مشرق جانب تین مزارات کے بعد اپنی والدہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

****

حضرت مخدوم خلیل الدین رحمتہ اللہ علیہ

نام: خلیل الدین

وطن مالوف: منیر شریف

نسب پدری: حضرت خلیل الدین بن احمد یحییٰ منیری بن حضرت اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہہ از اولاد حضرت زبیر بن عبد المطلب۔

حالات: آپ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین قدس سرہٗ کے منجھلے بھائی اور مرید تھے۔ آپ تازندگی پیرومرشد کی خدمت میں کسب فیض کرتے رہے اور بعد وفات بھی ان کی چوکھٹ سے دور نہ ہوئے۔ مخدوم جہاں کی نظر شفقت بھی آپ پر بہت تھی۔ ''وفات نامہ مخدوم جہاں'' میں ہے کہ

"حضرت خلیل الدین برادرحقیقی اورخادم خاص آپ کے پھلو میں بیٹھے تھے۔انھوں نے آپ کاھاتھ پکڑا۔آپ نے ان کی طرف منھ کیااور فرمایا۔خلیل خاطرجمع رھو۔ پھروصیت فرمانے لگے۔ حضرت شیخ خلیل الدین درد برادری اور دیدارپیرومرشد کے فوت ھونے سے نھایت شکستہ دل ھوکر آبدیدہ ھوئے۔آپ نے نھایت شفقت سے فرمایا۔خلیل!خاطر جمع رکھّو۔"

وفات اور مدفن: آپ کی وفات ۷۸۲ھ کے بعد ہوئی۔ آپ کی قبر روضۂ حضرت مخدوم جہاں کے بائیں میں ہے۔

****

حضرت مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہٗ

نام ولقب: منہاج الدین 'نام...... راستی 'لقب

وطن : جیلان

سلسلہ نسب:

حضرت مخدوم منہاج الدین راستی جیلانی بن سید تاج الدین بن سید عبدالرحمٰن بن سید عبدالکریم بن سید اسمعیل بن سید مصطفےٰ بن سید حسن ازاولاد حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ

(بروایت "اعیانِ وطن" مولفہ حکیم سید محمد شعیب پھلواروی)

حالات: حضرت مخدوم منہاج الدین راستی خداطلبی کے جذبہ سے سرشار وطن سے نکلے۔اور مراحل ریاضت ومجاہدہ طے کرتے ہوئے وارد بہار ہوئے۔اورایک عرصہ تک ناگرجنی پہاڑ (نزد بیلاگنج ضلع گیا) پر چلہ کش رہے۔پھر مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اوران سے روحانی وابستگی اختیار کی۔مخدوم جہاں نے تعلیم و تربیت کے بعد اجازت و خلافت سے نوازا اور برائے تبلیغ دین پھلواری (نزد پٹنہ) کی طرف روانہ کیا۔آپ نے پھلواری پہنچ کر انتھک تبلیغی کوشش کیں۔اور کفروشرک کااندھیرااللہ کے فضل سے بڑی حد تک دور ہو گیا۔آپ نے رشد وہدایت کے لئے یہاں ایک خانقاہ قائم کی اور مسجد وعید گاہ بنایا۔اب صرف عید گاہ باقی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل "اعیانِ وطن" سے ماخوذ ہے۔وابستگان مخدوم جہاں نے اپنی تحریروں میں مخدوم کے خلفاء کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں حضرت منہاج الدین کا نام نہیں ہے۔البتہ ایک بزرگ حاجی منہاج الدین کا ذکر ضرور ہے جنھوں نے مخدوم جہاں کی مجلس میں فرضیت حج پر تعریضاً گفتگو

کی تھی جس پر حضرت مولانا مظفر بلخی کو غصہ آگیا تھا اور انھوں نے انھیں اپنی آستین میں کعبہ شریف کا معائنہ کرادیا تھا اور اظہار کرامت پر مخدوم جہاں کی خفگی سہی تھی۔ اگر حضرت منہاج الدین راستی وہی حاجی منہاج الدین ہیں تو انھوں نے واقعہ مذکور کے بعد حضرت مخدوم جہاں سے وابستگی اختیار کی ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شادی اور اولاد: "اعیان وطن" کی روایت کے مطابق آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں اور ہر دو زوجہ سے اولاد ہوئی تھی۔ زوجہ ثانیہ کی اولاد کا ذکر علیٰ تسلسل ملتا ہے۔ ان سے تین صاحبزادگان مسمیٰ حضرت بہاء الدین' حضرت عزیزالدین اور سید محمد معروف تھے۔ اور ان کی اولاد ہنوز باقی اور جاری ہے اور پھلواری شریف اور اس کے اطراف میں آباد رہی ہے۔

جانشین: حضرت عزیزالدین اپنے والد کے سجادہ نشین تھے جیسا کہ "اعیان وطن" میں مذکور ہے۔

وفات اور مدفن: حضرت منہاج الدین راستی قدس سرہٗ نے ۲۹ر ذی الحجہ ۷۸۷ھ کو وفات پائی۔ اور آپ کے بنا کردہ عید گاہ سے شمال کی طرف مدفون ہوئے۔ بعد میں ان کے گرد احاطہ تعمیر ہوا۔ تاریخ مذکورہ کو عرس ہوتا ہے۔ جس میں سجادگان پھلواری شریف اپنے اپنے دور میں شامل ہوتے رہے ہیں اور عقید تمندوں کا مجمع کثیر ہوتا ہے۔

****

سید وحیدالدین چلہ کش رحمۃ اللہ علیہ

نام و لقب: وحیدالدین‘نام...... چلہ کش‘لقب

وطن : دہلی

سلسلہ نسب :

سید وحیدالدین بن سید علاء الدین بن سید سلطان سغید بن سید حسن بن سید عباس بن سید موسیٰ بن امام عسکری بن امام نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

والدین: حضرت سید وحیدالدین کے والدین کا ذکر مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کے ملفوظ **"خوان پر نعمت"** میں اس طرح ہے۔

"مخدوم جهاں کی مجلس میں سید وحیدالدین کا تذکرہ آگیا۔مولانا کریم الدین نے عرض کیا حضور! یه سید جوحضوروالا میں تشریف لاتے هیں کون بزرگ هیں؟مخدوم جهاں نے فرمایا که همارے پیر و مرشد کے بھانجے اورشیخ علاء الدین کے لڑکے هیں۔ سید علاء الدین ایك ایسے بزرگ تھے جوتمام علوم پر حاوی 'صاحب سجادہ اور نسبت میں عالی رتبه تھے۔ همارے شیخ نے تفسیر وحدیث دونوں علم ان هی سے حاصل کیا هے۔آپ نے پورے هفته کو تقسیم کرلیاتھا ۔ ایك دن فقه'ایك دن ۔

نحو و منطق ایک دن اصول و کلام ایک دن حدیث و
تفسیر۔غرض اسی طرح ایک علم میں روزانہ درس
دیا کرتے تھے۔دھلی کے علماء اور مشائخ بادشاہ کے
یہاں جایا کرتے تھے۔ مگرسیّد علاء الدین کبھی نہ
گئے۔بعض وقت بادشاہ نے منادی کرادی کہ جتنے
بزرگان اس شہر میں ھیں ھمارے دربارمیں آئیں۔
مگرسیّد علاء الدین نے ادھر نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔
حضرت زین بدر عربی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا
کہ سید وحیدالدین کی زبان مبارک سے سنا ھے کہ
میری والدہ اور شیخ کبیر خواجہ نجیب الدین
فردوسی ایک ماں سے اور شیخ رکن الدین اورنظام
الدین ایک ماں سے۔ حضرت مخدوم جھاں نے فرمایا
کہ بالکل سچ ھے۔"

حضرت مخدوم جھاں کی خدمت میں حاضری : مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے جب رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا تو آپ کا شہرہ ہر چہار طرف ہوا۔لوگ جوق در جوق آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ حضرت وحیدالدین چلہ کش بھی حاضر خدمت ہوئے۔اور کسب فیض میں مشغول ہوئے۔ حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں آپ کی حاضر باشی کا ثبوت ایک تو وہی ذکر ہے جو آپ کی مجلس میں آپ کے والدین کے سلسلے میں ہوا۔دوسرا ثبوت بھی اسی "**خوان پر نعمت**" میں مذکور ہے کہ (مجلس سی ویکم)

"مخدوم بزرگ شیخ کبیر نجیب الدین کے بھانجے
سید اوحدالدین نے عرض کیا کہ نام مبارک صلی اللہ
علیہ وسلم سننے پر آنکھ پرانگلی رکھتے ھیں۔اس کی
حدیث ھے یا نھیں۔ مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایاکہ ان

احادیث میں جو اس دیار میں معتبر اورمعروف ھیں
یہ حدیث میں نے کھیں نھیں پائی۔ا س سبب سے میرے
علاقے کے علمائے کرام بھی نھیں کرتے۔اور اگر کسی کو
دیکھتے ھیں کہ کرتا ھے تواسے منع بھی نھیں کرتے
ھیں.کیونکہ ھوسکتا ھے کسی کو اس باب میں کھیں
حدیث صحیح اسے نظر آئی ھویا سنی ھو۔"

الغرض حضرت وحیدالدین چلہ کش ۷۴۹ھ تا ۷۵۱ھ کے درمیان دہلی سے مخدوم جہاں کی خدمت میں بہار شریف تشریف لائے۔ تعین سن کی بنیاد بھی "خوان پر نعمت" ہے کیونکہ اس میں سنین مذکورہ کے درمیان کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگاروں نے آپ کانام کہیں وحیدالدین لکھاہے اور کہیں اوحدالدین۔

چلہ کشی: مخدوم جہاں سے شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد آپ ریاضت و مجاہدہ کے مرحلہ میں داخل ہوئے اور ایک زمانے تک علاقہ ارول کے ایک غیر آباد جگہ میں چلہ کش رہے۔غالباًیہی وجہ ہے کہ آپ کالقب چلہ کش پڑا۔بعداز کشود کار آپ اسی علاقہ کے ایک موضع سنیر امیں مع اہل وعیال سکونت پذیر ہوگئے۔بادشاہ وقت نے موضع سنیر ااور اطراف کا علاقہ خرچ خانقاہ وغیرہ کے لئے بطور نذر پیش کیا۔اور غیر آباد علاقہ رفتہ رفتہ آباد ہوگیا۔

شادی اوراولاد: آپ کی شادی حضرت بی بی بارکہ رحمتہ اللہ علیہا بنت حضرت زکی الدین بن مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ سے ہوئی تھی۔جن سے آپ کے ایک صاحبزادے سید عبداللہ عرف سجاداکبر اور ایک صاحبزادی بی بی فاطمہ زہرا تھیں۔ آپکے پوتے سید ابومحمد عرف محمد بہاری کے چار صاحبزادگان تھے۔ دو کا طفلی میں انتقال ہوگیا۔بڑے صاحبزادے حضرت سیدامام الدین کی اولاد اسی جوار میں آباد رہی اور چھوٹے صاحبزادے حضرت علیم الدین

عرف بھیک شاہ بہار چلے آئے۔اور مخدوم جہاں کے سجادہ پر بیٹھے۔ان کی اولاد بہار میں رہی اور ہے۔

وفات اور مدفن: آپ کا سن وفات معلوم نہیں ہے لیکن آپ کا مزار موضع سنیرا سے کئی میل کے فاصلے پر موضع بدر آباد میں ہے۔ہر سال ۱۱رذی الحجہ کو عرس ہوتا ہے۔اور ارد گرد کے علاقے سے لوگ آکر شریک عرس ہوتے ہیں۔

****

حضرت سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری

نام و لقب: علیم الدین‘نام گیسودراز دانشمند‘لقب

وطن مالوف: نیشاپور

سلسلہ نسب:

سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری بن سید مسعود بن سید احمد بن سید محمد بن سید فضل اللہ بن سید عبداللہ بن سید عبدالغنی بن سید حسین بن سید ابراہیم بن سید اسمٰعیل بن سید جعفر نیشاپوری بن امام محمد دیباج بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(وسیلہ شرف و ذریعہ دولت)

خاندانی پس منظر: حضرت سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری‘حضرت امام محمد دیباج بن امام جعفر صادق کی اولاد میں ہیں۔امام محمد

دیباج کا نام محمد تھا اور چونکہ آپ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے لوگ آپکو **"دیباج"** کہتے تھے۔ عوام و خواص کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ خلیفہ وقت **منصور** نے جب آپ کے ساتھ عوام کی روز بروز بڑھتی ہوئی عقیدت دیکھی تو اسے خطرہ ہوا کہ کہیں اسے خلافت سے دست بردار نہ ہونا پڑے۔ لہٰذا اس نے کسی طرح آپ کو ملزم گردانا اور زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت جعفر نے مع اہل و عیال خراسان کی طرف ہجرت کی پھر نیشاپور منتقل ہو گئے۔ اور یہاں توطن اختیار کر لیا۔ حضرت سید **علیم الدین گیسو دراز دانشمند** تک یہ خاندان نیشاپور میں رہا۔ ان کے دیگر اہل قرابت کے متعلق تو علم نہیں لیکن انکے صاحبزادوں نے صوبہ بہار (ہندوستان) میں اقامت اختیار کر لی اور انکی اولاد ہنوز یہاں آباد ہے۔ راقم السطور **طیب ابدالی** حضرت کی ستر ہویں پشت میں ہے۔

بیعت و خلافت : حضرت سید علیم الدین دانشمند نیشاپوری تلاش پیر میں اپنے دو صاحبزادوں کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت سنی' حاضر خدمت ہوئے اور شرف و بیعت و خلافت سے نوازے گئے۔

مراجعت وطن : آپ کو مخدوم جہاں کی خدمت میں رہنے کا موقع کم ہی مل سکا۔ لیکن جو کچھ بھی ملا اس کے دوران آپ نے زیادہ سے زیادہ کسب فیض کیا اور اپنے صاحبزادوں کو سلسلہ فردوسیہ میں مرید کیا اور انھیں اجازت و خلافت عطا کی اور اشاعت دین کی ہدایت فرما کر وطن واپس ہو گئے۔

اولاد امجاد : آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت سید محمد فردوسی اور حضرت **سید احمد فردوسی** نے توسیع سلسلہ میں بہت جانفشانی کی۔ حضرت **سید محمد فردوسی** کی شادی حضرت مخدوم بدر الدین بدر عالم زاہدی کی صاحبزادی حضرت **مخدومہ بی بی ابدالی** سے ہوئی۔ مخدومہ کی نسبت سے آپ کی اولاد ابدالی کہی جاتی ہے۔ حضرت **سید احمد فردوسی** نے

مجرد زندگی گزاری۔ ان کا مزار موضع ندرہ میں ہے۔ اور حضرت سید محمد فردوسی پیار ندی کے کنارے آباد موضع معافا میں آرام فرما ہیں۔ ایک چہار دیواری کے اندر چبوترہ پر آپ کا مزار ہے۔ موضع معافا آپ کی اولاد سے اب خالی ہو چکا ہے۔ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آپ کی اولاد فی الوقت زیادہ تر اسلام پور (نالندہ)، منیر شریف اور پٹنہ میں آباد ہے اور اپنے خاندانی فریضے اشاعت دین اور توسیع سلسلہ میں مصروف ہے۔

****

حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ

نام و لقب: شہاب الدین، نام۔ شیخ، لقب

وطن مالوف: جیلان

حالات: حضرت شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد سید ندیم الدین جیلانی اور اپنے صاجزادے سید منہاج الدین جیلانی کے ہمراہ جیلان سے دہلی تشریف لائے۔ یہاں ان کی ملاقات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ سے ہوئی اور ان کے دل میں حضرت مخدوم کی عقیدت گھر کر گئی اور وہ ان سے مرید ہو گئے۔ حضرت مخدوم جہاں دو مرتبہ دہلی تشریف لے گئے ہیں، ایک مرتبہ تلاش پیر میں اور دوسری مرتبہ راجگیر کی جاگیر کا حکمنامہ واپس کرنے۔ اس وقت فیروز شاہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ اندازہ ہے کہ شیخ شہاب نے مخدوم جہاں کے دوسرے سفر دہلی کے موقع پر لگ بھگ ۷۵۲ھ میں ان سے ملاقات کی ہوگی۔ اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ہونگے۔ شیخ

شہاب الدین اپنے پیر کے اتنا گرویدہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے نام سے "سیّد" ہٹا کر خود کو "شیخ" کہنا شروع کر دیا۔ اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت مخدوم جہاں جب بہار واپس ہوئے تو شیخ شہاب الدین بھی ساتھ ہو لئے اور بہار پہنچ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ اور ساری زندگی پیر کی خدمت میں گزار دی۔

اولاد: حضرت شیخ شہاب الدین کے صاحبزادے حضرت منہاج الدین جیلانی کی پیدائش جیلان میں ہوئی تھی لیکن وہ اپنے والد اور دادا کے ہمراہ دہلی آئے اور وہاں سے والد کے ساتھ بہار۔ یہاں مالک موضع جیر ڈمراواں حضرت اعلیٰ کی صاحبزادی بی بی **خدیجہ** سے آپ کی شادی ہوئی جن سے دو صاحبزادگان حضرت **علاء الدین** اور حضرت **بدیع الدین** اور ایک لڑکی ام **سلمہ** ہوئیں۔ حضرت منہاج الدین کو جیر ڈمراواں کے پاس ایک گاؤں جاگیر میں ملا تھا جس کا نام ان کی وطنی نسبت پر گیلانی پڑا۔ لیکن ان کے دونوں لڑکوں کی اولاد موضع جیر ڈمراوان میں مقیم رہی۔ یہ تفصیلات موضع جیر ڈمراواں کے قلمی نسب نامے سے ماخوذ ہیں۔

مدفن : حضرت شیخ شہاب الدین کی وفات بہار شریف ہی میں ہوئی اور یہیں ان کا مدفن ہے۔ سن وفات معلوم نہیں ہے۔

****

حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ

صوبۂ بہار میں سادات جاجنیری کے مورث اعلیٰ حضرت سید احمد جاجنیری اور آپ کے بڑے بھائی حضرت سید محمد (یا محمود) جاجنیری ہیں۔ رحمہم اللہ علیہم۔ ان دونوں بھائیوں نے موضع دہرسول (موضع دھرسول ضلع گوڑگاؤں (مشرقی پنجاب) کا ایک موضع تھا۔ حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ سے پانچ پشت اوپر حضرت سید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قریہ جاجنیری (علاقہ پٹیالہ سے نقل مکانی کر کے موضع دھرسول میں سکونت اختیار کی تھی۔ حضرت سید محمد تا حضرت بدرالدین زید (حضرت سید محمد اجمہ، سید ہدایہ اجمہ سید سید ابوالفتح، ابراہیم اجمہ، سید عزالدین اجمہ، سید بدرالدین زید) اس خاندان کی پانچ پشتیں اس موضع میں سکونت پذیر رہیں۔ حضرت سید بدرالدین زید کے دونوں صاحبزادگان حضرت سید محمد (یا محمود) جاجنیری اور حضرت سید احمد جاجنیری موضع دھرسول کو خیر آباد کہہ کر دہلی چلے گئے۔ (بحوالہ اشراف عرب) سے نقل مکانی کی اور تلاش روزگار میں بہ زمانہ محمد شاہ تغلق (محمد شاہ تغلق ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا اور بتاریخ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ اس کی وفات ہوئی) دہلی کا رخ کیا۔ اور یہاں پہنچ کر فوج کے رسالہ سادات بارہہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان دنوں دہلی کی سلطنت دور استحکام سے گزر رہی تھی۔ جہاد کے متعدد محاذ کھلے ہوئے تھے۔ لشکر اسلام کے سامنے نئے علاقوں کو فتح کرنے کے علاوہ مفتوحہ علاقوں میں وقتاً فوقتاً سر اٹھانے والے طالع آزماؤں کی سرکوبی کا مسئلہ بھی تھا۔ جوہر دکھانے کا خاصا موقع تھا۔ حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے برادر بزرگ نے چند معرکوں میں حصہ لے کر اپنے جوہر دکھائے اور نیک نامی کے ساتھ ہی بادشاہ کا اعتماد بھی حاصل کیا۔

الغرض حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے برادر بزرگ ۷۴۴ھ میں بہار آئے اور ابتداً موضع رہوئی میں مقیم ہوئے۔

حضرت سید احمد جاجنیری کا دور: حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ ۷۴۴ھ میں بہار تشریف لائے۔ اس وقت بہار ہزیمت خوردہ طاقتوں اور نت نئے طالع آزماؤں کا گڑھ تھا۔ ان کی شورشوں سے عوامی زندگی آئے دن اتھل پتھل ہوتی رہتی۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ اسی پرآشوب دور میں

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کے فردوسی فیضان کا سیل نور بہار کو منور کیے ہوئے تھا۔ بہار ہی میں حضرت مخدوم جہاں کے خالہ زاد بھائی حضرت شیخ احمد چرم پوش رحمۃ اللہ علیہ اقامت پذیر تھے۔ ان کی سہروردی خانقاہ میں جانے کتنے ہی لوگوں نے روحانی پیاس بجھائی۔ الغرض یہ دور اگر شورشوں کا دور تھا تو قلب وروح کو منور کرنے کا دور بھی تھا۔ شورشیں کم ہو رہی تھیں اور ؏

سکونِ دل کے ساماں بڑھ رہے تھے اور بھی زیادہ

شخصیت: حضرت سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ فنِ حرب وضرب کے ماہرین میں سے تھے۔ ابتدائی زندگی جہاد کے معرکے سر کرتے گزری۔ جب سکون نصیب ہوا تو متوجہ الی اللہ ہو گئے۔ موضع ندیانواں آپ کا آخری مستقر تھا جہاں ''بہت بڑی خانقاہ تھی۔'' (سادات جاجنیری ص ۳۸) غالباً آپ ہی نے قائم کی ہوگی۔ اس سے آپ کے صوفیانہ مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ موضع ندیانواں فی الوقت مسلمانوں سے خالی ہے لیکن ہندو آپ کے مزار کا بہت احترام کرتے ہیں۔ سچ ہے اللہ کے ولیوں کی شخصیت ایسی ہی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی وفات کے بعد بھی ان کا احترام کریں۔

شجرۂ نسب: حضرت سید احمد جاجنیری بن حضرت بدرالدین زید بن حضرت عز الدین بن ابوالفتح ابراہیم بن سید ہدایہ بن سید محمد بن سید علی باگھ بن سید علی مسعود بن سید ابوالفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید ثالث بن سید عمر بن سید زید ثانی بن سید علی بن سید حسین عراقی بن سید علی عراقی بن سید حسین مدنی بن سید علی مدنی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید ابوالحسن زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن فاطمۃ الزہراء بنت سید عالم حضور سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتابیات

مخطوطات

۱. تصوف اور احسان — سید شاہ ایوب ابدالی

۲. اخبار الاصفیا — عبدالصمد بن افضل

۳. رسالہ ذکر و فکر — سید شاہ ایوب ابدالی

گنج فیاضی — حضرت ابوالفیاض غلام ارشد جونپوری

۴. خوان پُر نعمت — حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری

مخ المعانی — حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری

معز المعانی — حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری

معدن الاسرار — ملفوظ قاضی علا شطاری

مونس القلوب — ملفوظ حضرت احمد لنگر دریا بلخی

نتائج الافکار قدوسیہ — حضرت ابو عبداللہ التستریؒ

۵. شرح آداب المریدین — حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری

مطبوعات

قرآن مجید

مسلم شریف

آبِ کوثر — شیخ محمد اکرام

آثار منیر — شاہ مراد اللہ منیری

اشراف عرب — نجم الحسن

اعیان وطن — مولانا محمد شعیب پھلواروی

اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا حصہ ڈاکٹر عبد الحق

تذکرۃ الکرام

تذکرۃ السالکین مرزا عبد الستار بیگ سہسرامی

تذکرۃ اولیاء فرید الدین عطار

تصوف اسلام عبد الماجد دریا آبادی

جادہ عرفاں (حصہ اول) ڈاکٹر طیب ابدالی

رسالہ قشیریہ ابو القاسم قشیری

رسالہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش

سیر الاولیا امیر خورد

خم خانہ تصوف ڈاکٹر ظہور الحسن شارب ردولوی

صفینۃ الاولیا دارا شکوہ

شعر العجم (جلد پنجم) شبلی نعمانی

عوارف المعارف شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

فوائد الفوائد ملفوظ حضرت نظام الدین اولیاء

فوائد رکنی حضرت مخدوم جہاں

فتوح الغیب حضرت سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش ہجویری

گلزار ابرار غوثی شطاری

لطائف غیبیہ حضرت عبد اللہ شطار

مکتوبات صدی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف احمد یحییٰ منیری

راحت القلوب ملفوظ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی

وسیلۂ شرف وذریعہ دولت حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری

مصنف کی دیگر تصانیف

اردو میں صوفیانہ شاعری

حضرت صوفی منیری کے نثری کارنامے

الشرف

راحت روح

وسیلہ شرف وذریعہ دولت

جادۂ عرفاں (حصہ اول)

انتخاب کلام آسی غازیپوری

زیر ترتیب

تذکرہ مشائخ بہار (جلد دوم)